آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد اوّل — اپریل سنہ ۱۹۰۲ء — نمبر (۴)

فہرست مضامین

اسلام
انسان کی اخلاقی حالتیں ۱۲۷
تثلیث اور توحید
یسوع کی عصمت پر دوسرے اعتراض ۱۴۵
یسوع کی علمی غلطیاں ۱۵۲
یسوع کی تعلیم کی غلطیاں ۱۵۶
انجیلی عفو کی حقیقت ۱۵۸

انجمن اشاعت الاسلام قادیان
نے
انوار احمدیہ پریس قادیان دارالامان میں چھپوا کر
۳۰ جون کو شائع کیا

چندہ سالانہ معہ محصول ڈاک :- معمولی کاغذ پر (عہ) ٭ ولائتی کاغذ پر (للعہ) ٭

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم

اِسْلام

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

انسان کی اخلاقی حالتیں

دوسرا حصہ قرآنی اصلاح کا یہ ہے کہ طبعی حالتوں کو شرائط مناسب کے ساتھ مشروط کرکے اخلاق فاضلہ تک پہنچایا جائے سو واضح ہو کہ یہ حصہ بہت بڑا ہے اگر ہم اس حصہ کو تفصیل کیساتھ بیان کریں یعنے تمام وہ اخلاق اسجگہ لکھنا چاہیں جو قرآن شریف نے بیان کئے تو یہ مضمون اس قدر لمبا ہو جائیگا کہ وقت اس کے دسویں حصہ تک کو بھی کفایت نہیں کریگا اس لئے چند اخلاق فاضلہ نمونے کے طور پر بیان کئے جاتے ہیں ✣

اب جاننا چاہیئے کہ اخلاق دو قسم کے ہیں اوّل وہ اخلاق جن کے ذریعہ سے انسان ترک شر پر قادر ہوتا ہے۔ دوسرے وہ اخلاق جن کے ذریعہ سے انسان ایصال خیر پر قادر ہوتا ہے اور ترک شر کے مفہوم میں وہ اخلاق داخل ہیں جنکے ذریعہ انسان کوشش کرتا ہے کہ تا اپنی زبان یا اپنے ہاتھ یا اپنی آنکھ یا اپنے کسی اور عضو سے دوسرے کے مال یا عزت یا جان کو نقصان نہ پہنچاوے یا نقصان رسانی یا کسر شان کا ارادہ نہ کرے اور ایصال خیر کے مفہوم میں تمام وہ اخلاق داخل ہیں جنکے ذریعہ سے انسان کوشش کرتا ہے کہ اپنی زبان یا اپنے ہاتھ یا اپنے علم یا کسی اور ذریعہ سے دوسرے کے مال یا عزت کو فائدہ پہنچا سکے یا اسکے جلال یا عزت ظاہر کرنے کا ارادہ کر سکے یا اگر کسی نے اسپر کوئی ظلم کیا تھا تو جس سزا کا وہ ظالم مستحق تھا اس سے درگذر کر سکے اور اس طرح اس کو دکھ اور عذاب بدنی اور تاوان مالی سے محفوظ رہنے کا فائدہ پہنچا سکے یا اسکو ایسی سزا دے سکے جو حقیقت

ہیں اس کے لئے سراسر رحمت ہے ✦

اب واضح ہو کہ وہ اخلاق جو ترک شر کے لئے صانع حقیقی نے مقرر فرمائے ہیں وہ زبان عربی میں جو تمام انسانی خیالات اور اوضاع اور اخلاق کے اظہار کے لئے ایک ایک مفرد لفظ اپنے اندر رکھتی ہے چار ناموں سے موسوم ہیں۔ چنانچہ پہلا خلق اَحصان کے نام سے موسوم ہے اور اس لفظ سے مراد خاص وہ پاکدامنی ہے جو مرد اور عورت کی قوت تناسل سے علاقہ رکھتی ہے اور محصن یا محصنہ اس مرد یا اس عورت کو کہا جائیگا کہ جو حرام کاری یا اس کے مقدمات سے مجتنب رہ کر اس ناپاک بدکاری سے اپنے تئیں روکے۔ جس کا نتیجہ دونوں کے لئے اس عالم میں ذلت اور لعنت اور دوسرے جہان میں عذاب آخرت اور متعلقین کے لئے علاوہ بے آبروئی نقصان شدید ہے۔ مثلاً جو شخص کسی کی بیوی سے .... ناجائز حرکت کا مرتکب ہو یا مثلاً زنا تو نہیں مگر اس کے مقدمات مرد اور عورت دونوں سے ظہور میں آویں تو کچھ شک نہیں کہ اس غیرتمند مظلوم کی ایسی بیوی کو جو زنا کرانے پر راضی ہو گئی تھی یا زنا بھی واقع ہو چکا تھا طلاق دینی پڑیگی اور بچوں پر بھی اگر اس عورت کے پیٹ سے ہونگے بڑا تفرقہ پڑیگا اور مالک خانہ یہ تمام نقصان اس بدذات کی وجہ سے اٹھائیگا ✦

اس جگہ یاد رہے کہ یہ خلق جس کا نام احصان یا عفّت ہے یعنی پاکدامنی یہ اسی حالت میں خلق کہلائیگا جبکہ ایسا شخص جو بدنظری یا بدکاری کی استعداد اپنے اندر رکھتا ہے یعنی قدرت نے وہ قوے اس کو دے رکھے ہیں جن کے ذریعہ سے اس جرم کا ارتکاب ہو سکتا ہے اس فعل شنیع سے اپنے تئیں بچائے اور اگر بباعث بچہ ہونے یا نامرد ہونے یا خوجہ ہونے یا پیر فرتوت ہونے کے یہ قوت اس میں موجود نہ ہو تو اس صورت میں ہم اس کو اس خلق سے جس کا نام احصان یا عفت ہے موصوف نہیں کر سکتے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عفت اور احصان کی اس میں ایک طبعی حالت ہے مگر ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ طبعی حالتیں خلق کے نام سے موسوم نہیں ہو سکتیں بلکہ اس وقت خلق کی حد میں داخل کیجائینگی جبکہ عقل کے زیر سایہ ہو کر اپنے محل پر صادر ہوں یا صادر ہونے کی قابلیت پیدا کر لیں۔ لہذا جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں بچے اور نامرد اور ایسے لوگ جو کسی تدبیر سے اپنے تئیں نامرد کر لیں اس خلق کا مصداق نہیں ٹھہر سکتے گو بظاہر عفت اور احصان کے رنگ میں اپنی زندگی بسر کریں بلکہ تمام صورتوں میں اُن کی عفت اور احصان کا نام طبعی حالت ہوگا نہ اور کچھ۔ اور چونکہ یہ ناپاک حرکت اور اس کے مقدمات جیسے مرد سے صادر ہو سکتے ہیں ویسے ہی عورت سے

بھی صادر ہو سکتے ہیں۔ لہذا خدا کی پاک کتاب میں دونو مرد اور عورت کیلئے یہ تعلیم فرمائی گئی ہے۔ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم و یحفظوا فروجھم ذلک ازکی لھم و قل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن و یحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا و لیضربن بخمرھن علٰی جیوبھن ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن و توبوا الی اللّٰہ جمیعا ایّھا المؤمنون لعلکم تفلحون ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا۔ و لیستعفف الذین لا یجدون نکاحًا۔ و رھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبنھا علیھم فما رعوھا حق رعایتھا یعنے ایمانداروں کو جو مرد ہیں کہدے کہ آنکھوں کو نامحرم عورتوں کے دیکھنے سے بچائے رکھیں اور ایسی عورتوں کو کھلے طور سے نہ دیکھیں جو شہوت کا محل ہو سکتی ہوں اور ایسے موقع پر خوابیدہ نگاہ کی عادت پکڑیں اور اپنے ستر کی جگہ کو جس طرح ممکن ہو بچاویں ایسا ہی کانوں کو نامحرموں سے بچاویں یعنی بیگانہ عورتوں کے گانے بجانے اور خوش الحانی کی آوازیں نہ سنیں یہ طریق پاک نظر اور پاک دل رہنے کے لئے عمدہ طریق ہے۔ ایسا ہی ایماندار عورتوں کو کہدے کہ وہ بھی اپنی آنکھوں کو نامحرم مردوں کے دیکھنے سے بچائیں یعنی انکی پرشہوات آوازیں نہ سنیں اور اپنے ستر کی جگہ کو پردہ میں رکھیں اور اپنی زینت کے اعضا کو کسی غیر محرم پر نہ کھولیں اور اپنی اوڑھنی کو اس طرح سر پر لیں کہ گریبان سے ہو کر سر پر آجائے یعنے گریبان اور دونو کان اور سر اور کنپٹیاں سب چادر کے پردہ میں رہیں اور اپنے پیروں کو زمین پر ناچنے والوں کی طرح نہ ماریں یہ وہ تدبیر ہے کہ جسکی پابندی ٹھوکر سے بچا سکتی ہے۔ اور دوسرا طریق بچنے کے لئے یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی طرف رجوع کریں اور اس سے دعا کریں تا ٹھوکر سے بچاوے اور لغزشوں سے نجات دے۔ زنا کے قریب مت جاؤ یعنے ایسی تقریبوں سے دور رہو جن سے یہ خیال بھی دل میں پیدا ہو سکتا ہو اور ان راہوں کو اختیار نہ کرو جن سے اس گناہ کے وقوع کا اندیشہ ہو جو زنا کرتا ہے وہ بدی کو انتہا تک پہنچا دیتا ہے۔ زنا کی راہ بہت بری راہ ہے یعنی منزل مقصود سے روکتی ہے اور تمہاری آخری منزل کے لئے سخت خطرناک ہے۔ اور جس کو نکاح میسر نہ آوے چاہئے کہ وہ اپنی عفت کو دوسرے طریقوں سے بچاوے مثلاً روزہ رکھے یا کم کھاوے یا اپنی طاقتوں سے تن آزار کام لے اور اور لوگوں نے یہ بھی طریق نکالے ہیں کہ وہ ہمیشہ عمداً نکاح سے دست بردار رہیں یا خوجے بنیں اور کسی طریق سے رہبانیت اختیار کریں مگر ہم نے انسان پر یہ حکم فرض نہیں کئے اسلئے وہ ان بدعتوں کو پورے طور پر نباہ نہ سکے۔ خدا کا یہ فرمانا کہ ہمارا یہ حکم نہیں کہ لوگ

خوجے بنیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اگر خدا کا حکم ہوتا تو سب لوگ اس حکم پر عمل کرنے کے مجاز بنتے تو اس صورت میں بنی آدم کی قطع نسل ہو کر کبھی کا دنیا کا خاتمہ ہو جاتا اور نیز اگر اس طرح پر عفت حاصل کرنی ہو کہ عضو مردی کو کاٹ دیں تو یہ درپردہ اس صانع پر اعتراض ہے جس نے وہ عضو بنایا اور نیز جبکہ ثواب کا تمام مدار اس بات پر ہے کہ ایک قوت موجود ہو اور پھر انسان خدا تعالے کا خوف کر کے اس قوت کے خراب جذبات کا مقابلہ کرتا رہے اور اس کے منافع سے فائدہ اٹھا کر دو طور کا ثواب حاصل کرے۔ پس ظاہر ہے کہ ایسے عضو کے ضائع کر دینے میں دونو ثوابوں سے محروم رہا ثواب تو جذبہ مخالفانہ کے وجود اور پھر اس کے مقابلہ سے ملتا ہے مگر جس میں بچہ کی طرح وہ قوت ہی نہیں رہی اسکو کیا ثواب ملیگا۔ کیا بچہ کو اپنی عفت کا ثواب ملسکتا ہے؟

ان آیات میں خدا تعالے نے خلق احصان یعنے عفت کے حاصل کرنے کیلئے صرف اعلیٰ تعلیم ہی نہیں فرمائی بلکہ انسان کو پاکدامن رہنے کیلئے پانچ علاج بھی بتلا دئے ہیں یعنی یہ کہ اپنی [۱] آنکھوں کو نامحرم پر نظر ڈالنے سے بچانا۔ [۲] کانوں کو نامحرموں کی آواز سننے سے بچانا۔ [۳] نامحرموں کے قصے نہ سننا۔ اور [۴] ایسی تمام تقریبوں سے جن میں اس بدفعل کا اندیشہ ہو اپنے تئیں بچانا۔ اگر [۵] نکاح نہ ہو تو روزہ رکھنا وغیرہ ۔

اس جگہ ہم بڑے دعوے کیساتھ کہتے ہیں کہ یہ اعلےٰ تعلیم اُن سب تدبیروں کے ساتھ جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہیں صرف اسلام سے ہی خاص ہے۔ اور اسجگہ ایک نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے اور وہ یہ ہے کہ چونکہ انسان کی وہ طبعی حالت جو شہوات کا منبع ہے جس سے انسان بغیر کسی کامل تغیر کے الگ نہیں ہو سکتا یہی ہے کہ اسکے جذبات شہوت محل اور موقع پاکر جوش مارنے سے رہ نہیں سکتے یا یوں کہو کہ سخت خطرہ میں پڑ جاتے ہیں۔ اسلئے خدا تعالے نے ہمیں یہ تعلیم نہیں دی کہ ہم نامحرم عورتوں کو بلا تکلف دیکھ تو لیا کریں اور انکی تمام زینتوں پر نظر ڈال لیں اور ان کے تمام انداز ناچنا وغیرہ مشاہدہ کرلیں لیکن پاک نظر سے دیکھیں اور نہ یہ تعلیم ہمیں دی ہے کہ ہم ان بیگانہ جوان عورتوں کا گانا بجانا سن لیں اور ان کے حسن کے قصے بھی سنا کریں۔ لیکن پاک خیال سے سنیں بلکہ ہمیں تاکید ہے کہ ہم نامحرم عورتوں کو اور ان کی زینت کی جگہ کو ہرگز نہ دیکھیں نہ پاک نظر سے اور نہ ناپاک نظر سے اور ان کی خوش الحانی کی آوازیں اور انکے حسن کے قصے نہ سنیں نہ پاک خیال سے اور نہ ناپاک خیال سے

بلکہ ہمیں چاہیئے کہ اُن کے سننے اور دیکھنے سے نفرت رکھیں جیسا کہ مردار سے تا ٹھوکر نہ کھاویں کیونکہ ضرور ہے کہ بے قیدی کی نظروں سے کسی وقت ٹھوکریں پیش آویں۔ سو چونکہ خدا تعالےٰ چاہتا ہے کہ ہماری آنکھیں اور دل اور ہمارے خطرات سب پاک ہیں اس لئے اس نے یہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم فرمائی۔ اسمیں کیا شک ہے کہ بے قیدی ٹھوکر کا موجب ہو جاتی ہے اگر ہم ایک بھوکے کتّے کے آگے نرم نرم روٹیاں رکھدیں اور پھر امید رکھیں کہ اُس کتے کے دلمیں خیال تک ان روٹیوں کا نہ آوے تو ہم اپنے اس خیال میں غلطی پر ہیں سو خدا تعالےٰ نے چاہا کہ نفسانی قوے کو پوشیدہ کارروائیوں کا موقع بھی نہ ملے اور ایسی کوئی بھی تقریب پیش نہ آوے جس سے بدخطرات جنبش کر سکیں +

اسلامی پردہ کی یہی فلاسفی اور یہی ہدایت شرعی ہے۔ خدا کی کتاب میں پردہ سے یہ مراد نہیں کہ فقط عورتوں کو قیدیوں کی طرح حراست میں رکھا جائے یہ اُن نادانوں کا خیال ہے جن کو اسلامی طریقوں کی خبر نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ عورت مرد دونوں کو آزاد نظر اندازی اور اپنی زینتوں کے دکھانے سے روکا جائے کیونکہ اس میں دونوں مرد اور عورت کی بھلائی ہے بالآخر یاد رہے کہ خوابیدہ نگاہ سے غیر محل پر نظر ڈالنے سے اپنے تئیں بچا لینا اور دوسری جایز النظر چیزوں کو دیکھنا اس طریق کو عربی میں غضّ بصر کہتے ہیں اور ہر ایک پرہیزگار جو اپنے دل کو پاک رکھنا چاہتا ہے اس کو نہیں چاہیئے کہ حیوانوں کی طرح جس طرف چاہے بے محابا نظر اٹھا کر دیکھ لیا کرے۔ بلکہ اس کیلئے اس تمدنی زندگی میں غضّ بصر کی عادت ڈالنا ضروری ہے اور یہ وہ مبارک عادت ہے جس سے اس کی یہ طبعی حالت ایک بھاری خلق کے رنگ میں آجائیگی اور اسکی تمدنی ضرورت میں بھی فرق نہیں پڑیگا۔ یہی وہ خلق ہے جسکو احصان اور عفت کہتے ہیں +

دوسری قسم ترک شر کے اقسام میں سے وہ خلق ہے جس کو امانت و دیانت کہتے ہیں یعنے دوسرے کے مال پر شرارت اور بدنیتی سے قبضہ کر کے اسکو ایذا پہنچانے پر راضی نہ ہونا۔ سو واضح ہو کہ دیانت اور امانت انسان کی طبعی حالتوں میں سے ایک حالت ہے اسی واسطے ایک بچہ شیرخوار بھی جو بوجہ کم سنی اپنی طبعی سادگی پر ہوتا ہے اور نیز بباعث صغر سنی ابھی بری عادتوں کا عادی نہیں ہوتا۔ اسقدر غیر کی چیز سے نفرت رکھتا ہے کہ غیر عورت کا دودھ بھی مشکل سے پیتا ہے اور اگر بیہوشی کے زمانہ میں کوئی اور دایہ مقرر نہ ہو تو ہوش کے زمانہ میں اسکو دوسرے کا دودھ پلانا نہایت مشکل ہو جاتا ہے اور اپنی جان پر بہت تکلیف اٹھاتا ہے اور ممکن ہے کہ اس تکلیف سے مرنے کے قریب ہو جائے مگر دوسری عورت کے دودھ سے طبعاً

بیزار ہوتا ہے۔ اس قدر نفرت کا کیا بھید ہے؟ بس یہی کہ وہ والدہ کو چھوڑ کر غیر کی چیز کی طرف رجوع کرنے سے طبعاً متنفر ہے۔ اب ہم جب ایک گہری نظر سے بچہ کی اس عادت کو دیکھتے اور اسپر غور کرتے ہیں اور فکر کرتے کرتے اسکی اس عادت کی تہ تک چلے جاتے ہیں تو ہمپر صاف کھل جاتا ہے کہ یہ عادت جو غیر کی چیز سے اس قدر نفرت کرتا کہ اپنے اوپر مصیبت ڈال لیتا ہے یہی جڑ دیانت اور امانت کی ہے اور دیانت کے خلق میں کوئی شخص راستباز نہیں ٹھہر سکتا جبتک بچہ کی طرح غیر کے مال کے بارے میں بھی سچی نفرت اور کراہت اس کے دل میں پیدا نہ ہو جائے لیکن بچہ اس عادت کو اپنے محل پر استعمال نہیں کرتا اور اپنی بیوقوفی کے سبب سے بہت کچھ تکلیفیں اٹھالیتا ہے لہذا اس کی یہ عادت صرف ایک حالت طبعی ہے جسکو وہ بے اختیار ظاہر کرتا ہے اس لئے وہ حرکت اس کے خلق میں داخل نہیں ہو سکتی گو انسانی سرشت میں اصل جڑ خلق دیانت اور امانت کی وہی ہے جیسا کہ بچہ اس غیر معقول حرکت سے متدین اور امین نہیں کہلا سکتا ایسا ہی وہ شخص بھی اس خلق سے متصف نہیں ہو سکتا جو اس طبعی حالت کو محل پر استعمال نہیں کرتا امین اور دیانتدار بننا بہت نازک امر ہے جبتک انسان اس کے تمام پہلو بجا نہ لاوے امین اور دیانتدار نہیں ہو سکتا۔ اسمیں اللہ تعالےٰ نے نمونہ کے طور پر آیات مفصلہ ذیل میں امانت کا طریق سمجھایا ہے اور وہ طریق امانت یہ ہے

ولا تؤتوا السفہاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیما وارزقوہم فیہا واکسوہم وقولوا لہم قولا معروفا ۝ وابتلوا الیتمیٰ حتےٰ اذا بلغوا النکاح فان آنستم منہم رشدا فادفعوا الیہم اموالہم ولا تاکلوہا اسرافا وبدارا ان یکبروا ومن کان غنیا فلیستعفف ومن کان فقیرا فلیاکل بالمعروف فاذا دفعتم الیہم اموالہم فاشہدوا علیہم وکفیٰ باللہ حسیبا ۝ ولیخش الذین لو ترکوا من خلفہم ذریۃ ضعافا خافوا علیہم فلیتقوا اللہ ولیقولوا قولا سدیدا ۝ ان الذین یاکلون اموال الیتمیٰ ظلما انما یاکلون فی بطونہم نارا وسیصلون سعیرا

ترجمہ یعنی اگر کوئی ایسا تم میں مالدار ہو جو صحیح العقل نہ ہو مثلاً یتیم یا نابالغ ہو اور اندیشہ ہو کہ وہ اپنی حماقت سے اپنے مال کو ضائع کر دیگا تو تم (بطور کورٹ آف وارڈس کے) وہ تمام مال اس کا متکفل کے طور پر اپنے قبضہ میں لے لو اور وہ تمام مال جسپر سلسلہ تجارت و معیشت کا چلتا ہے ان بیوقوفوں کے حوالہ مت کرو اور اس مال میں سے بقدر ضرورت ان کے کھانے اور پہننے کے لئے دیدیا کرو اور ان کو اچھی باتیں قول معروف کی کہتے رہو یعنی ایسی باتیں جن سے اُن کی عقل اور تمیز بڑھے اور ایک طور سے ان کے مناسب حال انکی

تربیت ہو جائے اور جاہل اور ناتجربہ کار نہ رہیں اگر وہ تاجر کے بیٹے ہیں تو تجارت کے طریقے انکو سکھلاؤ اور اگر کوئی اور پیشہ رکھتے ہوں تو اس پیشہ کے مناسب حال انکو پختہ کر دو غرض ساتھ ساتھ تعلیم دیتے جاؤ اور اپنی تعلیم کو وقتاً فوقتاً امتحان بھی کرتے جاؤ کہ جو کچھ تم نے سکھلایا انہوں نے سمجھا بھی ہے یا نہیں پھر جب نکاح کے لایق ہو جائیں یعنی عمر قریباً اٹھارہ برس تک پہنچ جائے اور تم دیکھو کہ ان میں اپنے مال کے انتظام کی عقل پیدا ہو گئی ہے تو اُن کا مال اُن کے حوالہ کر دو۔ اور فضول خرچی کے طور پر اُن کا مال خرچ نہ کرو اور نہ اس خوف سے جلدی کر کے کہ اگر یہ بڑے ہو جائینگے تو اپنا مال لے لینگے اُن کے مال کا نقصان کرو جو شخص دولتمند ہو اسکو نہیں چاہیئے کہ ان کے مال میں سے کچھ حق الخدمت لیوے لیکن ایک محتاج بطور معروف لے سکتا ہے عرب میں مالی محافظوں کیلئے یہ طریق معروف تھا کہ اگر یتیموں کے کار پرداز اُن کے مال میں سے لینا چاہتے تو حتی الوسع یہ قاعدہ جاری رکھتے کہ جو کچھ یتیم کے مال کو تجارت سے فائدہ ہوتا اسمیں سے آپ بھی لیتے راس المال کو تباہ نہ کرتے۔ سو یہ اسی عادت کی طرف اشارہ ہے کہ تم بھی ایسا کرو اور پھر فرمایا کہ جب تم یتیموں کو مال واپس کرنے لگو تو گواہوں کے روبرو اُن کو انکا مال دو اور جو شخص فوت ہونے لگے اور بچے اُس کے ضعیف اور صغیر السن ہوں تو اسکو نہیں چاہیئے کہ کوئی ایسی وصیّت کرے کہ جسمیں بچوں کی حق تلفی ہو جو لوگ ایسے طور سے یتیم کا مال کھاتے ہیں جس سے یتیم پر ظلم ہو جائے وہ مال نہیں بلکہ آگ کھاتے ہیں اور آخر جلانیوالی آگ میں ڈالے جائینگے ٭

اب دیکھو خدا تعالےٰ نے دیانت اور امانت کے کس قدر پہلو تبلائے۔ سو حقیقی دیانت اور امانت وہی ہے جو ان تمام پہلوؤں کے لحاظ سے ہو اور اگر پوری عقلمندی کو دخل دیکر امانت داری میں تمام پہلوؤں کا لحاظ نہ ہو تو ایسی دیانت اور امانت کئی طور سے چھپی ہوئی خیانتیں اپنے ہمراہ رکھے گی اور پھر دوسری جگہ فرمایا۔ ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بہا الی الحکام لتاکلوا فریقًا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون۔ اِنّ اللہ یامرکم ان تودوا الامنٰت الی اھلہا ان اللہ لا یحب الخآئنین واوفوا الکیل اذا کلتم وزنوا بالقسطاس المستقیم ولا تبخسوا الناس اشیاءھم ولا تعثوا فی الارض مفسدین ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب یعنے آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناجائز طور پر مت کھایا کرو اور نہ اپنے مال کو رشوت کے طور پر حکام تک پہنچایا کرو تا اسپر حکام کی اعانت سے دوسرے کے مالوں کو دبا لو۔

امانتوں کو اُن کے حق داروں کو واپس دیدیا کرو۔ خدا خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا جب تم ماپو تو پورا ماپو۔ جب تم وزن کرو تو پوری اور بے خلل ترازو سے وزن کرو۔ اور کسی طور سے لوگوں کو ان کے مال کا نقصان نہ پہنچاؤ اور فساد کی نیت سے زمین پر مت پھرا کرو یعنی اس نیت سے کہ چوری کریں یا ڈاکہ ماریں یا کسی کی جیب کتریں یا کسی اور ناجائز طریق سے بیگانہ مال پر قبضہ کریں اور پھر فرمایا کہ تم اچھی چیزوں کے عوض میں خبیث اور ردی چیزیں نہ دیا کرو یعنی جس طرح دوسروں کا مال دبا لینا ناجائز ہے اسی طرح خراب چیزیں بیچنا یا اچھی کے عوض میں بُری دینا بھی ناجائز ہے۔ ان تمام آیات میں خدا تعالےٰ نے تمام طریقے بددیانتی کے بیان فرمائے اور ایسا کلام کلی کے طور پر فرمایا جس میں کسی بددیانتی کا ذکر باہر نہ رہ جائے صرف یہ نہیں کہا کہ تو چوری نہ کر۔ تا ایک نادان یہ نہ سمجھ لے کہ چوری میرے لئے حرام ہے مگر دوسرے ناجائز طریقے سب حلال ہیں اس کلمہ جامعہ کیساتھ تمام ناجائز طریقوں کو حرام ٹھہرانا یہی حکمت بیانی ہے غرض اگر کوئی اس بصیرت سے دیانت اور امانت کا خلق اپنے اندر نہیں رکھتا اور ایسے تمام پہلوؤں کی رعایت نہیں کرتا۔ وہ اگر دیانت و امانت کو بعض امور میں دکھلائے بھی تو یہ حرکت اس کی خلق دیانت میں داخل نہیں سمجھی جائے گی بلکہ ایک طبعی حالت ہوگی جو عقلی تمیز اور بصیرت سے خالی ہے ۔

تیسری قسم ترک شر کی اخلاق میں سے وہ قسم ہے کہ جس کو عربی میں ھُدنہ اور ھون کہتے ہیں یعنی دوسرے کو ظلم کی راہ سے بدنی آزار نہ پہنچانا اور بے شر انسان ہونا اور صلح کاری کے ساتھ زندگی بسر کرنا پس بلاشبہ صلح کاری اعلےٰ درجہ کا ایک خلق ہے اور انسانیت کیلئے ازبس ضروری اور اس خلق کے مناسب حال طبعی قوت جو بچہ میں ہوتی ہے جس کی تعدیل سے یہ خلق بنتا ہے الفت یعنی خوگرفتگی ہے یہ تو ظاہر ہے کہ انسان صرف طبعی حالت میں یعنے اس حالت میں کہ جب انسان عقل سے بے بہرہ ہو صلح کے مضمون کو سمجھ نہیں سکتا اور نہ جنگ جوئی کے مفہوم کو سمجھ سکتا ہے پس اس وقت جو ایک عادت موافقت کی اس میں پائی جاتی ہے وہی صلح کاری کی عادت کی ایک جڑ ہے لیکن چونکہ وہ عقل اور تدبر اور خاص ارادہ سے اختیار نہیں کی جاتی اس لئے خلق میں داخل نہیں بلکہ خلق میں تب داخل ہوگی کہ جب انسان بالارادہ اپنے تئیں بے شر بنا کر صلح کاری کے خلق کو اپنے محل پر استعمال کرے اور بے محل استعمال کرنے سے مجتنب رہے اس میں اللہ جل شانہ یہ تعلیم فرماتا ہے

واصلحوا ذات بینکم۔ الصلح خیر۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لہا وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ہوناً واذا مرّوا باللغو مرّوا کراماً ادفع بالتی ہی احسن فاذا الذی بینك وبینه عداوة كانه ولیٌّ حمیمٌ یعنے آپس میں صلح کاری اختیار کرو صلح میں خیر ہے جب وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ۔ خدا کے نیک بندے صلح کاری کے ساتھ زمین پر چلتے ہیں اور اگر کوئی لغو بات کسی سے سنیں جو جنگ کا مقدمہ اور لڑائی کی ایک تمہید ہو تو بزرگانہ طور پر طرح دیکر چلے جاتے ہیں اور ادنے ادنے بات پر لڑنا شروع نہیں کر دیتے یعنے جبتک کوئی زیادہ تکلیف نہ پہنچے اس وقت تک ہنگامہ پردازی کو اچھا نہیں سمجھتے اور صلح کاری کے محل شناسی کا یہی اصول ہے کہ ادنے ادنے باتوں کو خیال میں نہ لاویں اور معاف فرما دیں۔ اور لغو کا لفظ جو اس آیت میں آیا ہے سو واضح ہو کہ عربی زبان میں لغو اس حرکت کو کہتے ہیں کہ مثلاً ایک شخص شرارت سے ایسی بکواس کرے یا بہ نیت ایذا ایسا فعل اس سے صادر ہو کہ دراصل اس سے کچھ ایسا حرج اور نقصان نہیں پہنچتا۔ سو صلحکاری کی یہ علامت ہے کہ ایسی بیہودہ ایذا سے چشم پوشی فرماویں اور بزرگانہ سیرت عمل میں لاویں لیکن اگر ایذا صرف لغو کی مد میں داخل نہ ہو بلکہ اس سے واقعی طور پر جان یا مال یا عزت کو ضرر پہنچے تو صلحکاری کے خلق کو اس سے کچھ تعلق نہیں بلکہ اگر ایسے گناہ کو بخشا جائے تو اس خلق کا نام عفو ہے جس کا انشاء اللہ تعالے اس کے بعد بیان ہوگا اور پھر فرمایا کہ جو شخص شرارت سے کچھ یاوہ گوئی کرے تو تم نیک طریق سے صلحکاری کا اس کو جواب دو تب اس خصلت سے دشمن بھی دوست ہو جائیگا غرض صلحکاری کے طریق سے چشم پوشی کا محل صرف اس درجہ کی بدی ہے جس سے کوئی واقعی نقصان نہ پہنچا ہو صرف دشمن کی بیہودہ گوئی ہو ؀

چوتھی قسم ترک شر کی اخلاق میں سے رفق اور قول حسن ہے اور یہ خلق جس حالت طبعی سے پیدا ہوتا ہے اس کا نام طلاقت یعنی کشادہ روئی ہے بچہ جبتک کلام کرنے پر قادر نہیں ہوتا بجائے رفق اور قول حسن کے طلاقت دکھلاتا ہے یہی دلیل اس بات پر ہے کہ رفق کی جڑ جہاں سے شاخ پیدا ہوتی ہے طلاقت ہے طلاقت ایک قوت ہے اور رفق ایک خلق ہے جو اس قوت کو محل پر استعمال کرنے سے پیدا ہو جاتا ہے اس میں خدا تعالے کی تعلیم یہ ہے وقولوا للناس حسنًا۔ لا یسخر قوم من قوم عسٰی ان یکونوا خیرًا منہم ولا نساءٌ من نساءٍ عسٰی ان یکنّ خیرًا منہن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب اجتنبوا کثیرًا من الظن ان بعض الظن اثمٌ ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضًا واتقوا اللّٰہ ان اللّٰہ توابٌ رحیمٌ۔ ولا تقف ما لیس لك به علمٌ ان السمع

والبصر والفؤاد كل اولئك كان عنه مسئولا ۔ یعنے لوگوں کو وہ باتیں کہو جو واقعی طور پر نیک ہوں۔ ایک قوم دوسری قوم سے ٹھٹھا نہ کرے ہو سکتا ہے کہ جنسے ٹھٹھا کیا گیا ہے وہی اچھے ہوں بعض عورتیں بعض عورتوں سے ٹھٹھا نہ کریں ہو سکتا ہے کہ جن سے ٹھٹھا کیا گیا ہے وہی اچھی ہوں اور عیب مت لگاؤ اپنے لوگوں کے بُرے بُرے نام مت رکھو۔ بدگمانی کی باتیں مت کرو اور نہ عیبوں کو کرید کرید کر پوچھو ایک دوسرے کا گلہ مت کرو۔ کسی کی نسبت وہ بہتان یا الزام مت لگاؤ جس کا تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں اور یاد رکھو کہ ہر ایک عضو سے مواخذہ ہوگا اور کان آنکھ دل ہر ایک سے پوچھا جائیگا +

ترک شر کے اقسام ختم ہو چکے اور اب ہم ایصال خیر کے اقسام بیان کرتے ہیں دوسری قسم ان اخلاق کی جو ایصال خیر سے تعلق رکھتے ہیں پہلا خلق ان میں سے عفو ہے یعنی کسی کے گناہ کو بخش دینا اسمیں ایصال خیر یہ ہے کہ جو گناہ کرتا ہے وہ ایک ضرر پہنچاتا ہے اور اس لائق ہوتا ہے کہ اسکو بھی ضرر پہنچایا جائے۔ سزا دلائی جائے۔ قید کرایا جائے جرمانہ کرایا جائے یا آپ ہی اس پر ہاتھ اٹھایا جائے پس اس کو بخش دینا مناسب ہے تو اس کے حق میں ایصال خیر ہے۔ اسمیں قرآن شریف کی تعلیم یہ ہے۔۔۔ والکاظمین الغیظ والعافین عن النّاس ۔ وجزاءُ سيّئةٍ سيّئةٌ مثلها فمن عفىٰ واصلح فاجره على الله یعنے نیک آدمی وہ ہیں جو غصہ کھانے کے محل پر اپنا غصہ کھا جاتے ہیں اور بخشنے کے محل پر گناہ کو بخشتے ہیں۔ بدی کی جزا اُسی قدر بدی ہے جو کیگئی ہو لیکن جو شخص گناہ کو بخشدے اور ایسے موقع پر بخشے کہ اس سے کوئی اصلاح ہوتی ہو کوئی شر پیدا نہ ہوتا ہو یعنے عین عفو کے محل پر ہو نہ غیر محل پر تو اس کا وہ بدلہ پائیگا۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ قرآنی تعلیم یہ نہیں کہ خواہ نخواہ اور ہر جگہ شر کا مقابلہ نہ کیا جائے اور شریروں اور ظالموں کو سزا نہ دیجائے۔ بلکہ یہ تعلیم ہے کہ دیکھنا چاہئے کہ وہ محل اور موقع گناہ بخشنے کا ہے یا سزا دینے کا ہے۔ پس مجرم کے حق میں اور نیز عامہ خلائق کے حق میں جو کچھ فی الواقع بہتر ہو وہی صورت اختیار کیجائے۔ بعض وقت ایک مجرم گناہ بخشنے سے اور بھی دلیر ہو جاتا ہے۔ پس خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ اندھوں کی طرح صرف گناہ بخشنے کی عادت مت ڈالو بلکہ غور سے دیکھ لیا کرو کہ حقیقی نیکی کس بات میں ہے آیا بخشنے میں یا سزا دینے میں۔ پس جو امر محل اور موقع کے مناسب ہو وہی کرو۔ افراد انسانی کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہے کہ جیسے بعض لوگ کینہ کشی پر حریص ہوتے ہیں

یہاں تک کہ دادوں پر دادوں کے کینوں کو یاد رکھتے ہیں ایسا ہی بعض لوگ عفو اور درگذر کی عادت کو انتہا تک پہنچا دیتے ہیں اور بسا اوقات اس عادت کے افراط سے دیوثی تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور ایسے نااہل شرم حلم اور عفو اور درگذر اُن سے صادر ہوتے ہیں جو سراسر حمیت اور غیرت اور عفت کے برخلاف ہوتے ہیں بلکہ نیک چلنی پر داغ لگاتے ہیں اور ایسے عفو اور درگذر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب لوگ توبہ توبہ کر اٹھتے ہیں۔ انہی خرابیوں کے لحاظ سے قرآن شریف میں ہر ایک خلق کیلئے محل اور موقع کی شرط لگا دی ہے اور ایسے خلق کو منظور نہیں رکھا جو بے محل صادر ہو۔ یاد رہے کہ مجرد عفو کو خلق نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ ایک طبعی قوت ہے جو بچوں میں بھی پائی جاتی ہے بچہ کو جس کے ہاتھ سے چوٹ لگ جائے خواہ شرارت سے ہی لگے تھوڑی دیر کے بعد وہ اس قصہ کو بھلا دیتا ہے اور پھر اس کے پاس محبت سے جاتا ہے اور اگر ایسے شخص نے اس کے قتل کا بھی ارادہ کیا ہو تب بھی صرف میٹھی بات پر خوش ہو جاتا ہے پس ایسا عفو کسی طرح خلق میں داخل نہیں ہوگا۔ خلق میں اس صورت میں داخل ہوگا جب ہم اس کو محل اور موقع پر استعمال کرینگے ورنہ صرف ایک طبعی قوت ہوگی۔ دنیا میں بہت تھوڑے ایسے لوگ ہیں جو طبعی قوت اور خلق میں فرق کر سکتے ہیں۔ ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ حقیقی خلق اور طبعی حالتوں میں یہ فرق ہے کہ خلق ہمیشہ محل اور موقع کی پابندی اپنے ساتھ رکھتا ہے اور طبعی قوت بے محل ظاہر ہو جاتی ہے۔ یوں تو چارپایوں میں گائے بھی بے شر ہے اور بکری بھی دل کی غریب ہے مگر ہم ان کو اسی سبب سے ان خلقوں سے متصف نہیں کہہ سکتے کہ ان کو محل اور موقع کی عقل نہیں دی گئی۔ خدا کی حکمت اور خدا کی سچی اور کامل کتاب نے ہر ایک خلق کے ساتھ محل اور موقع کی شرط لگا دی ہے *

دوسرا خلق اخلاق ایصال خیر میں سے عدل ہے اور تیسرا احسان اور چوتھا ایتاء ذی القربیٰ جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ انّ اللّٰہ یأمُرُ بالعدل والاحسان وایتاء ذِی القُربیٰ وینھیٰ عن الفحشاءِ والمنکرِ والبغی یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ نیکی کے مقابل پر نیکی کرو۔ اور اگر عدل سے بڑھکر احسان کا موقع اور محل ہو تو وہاں احسان کرو اور اگر احسان سے بڑھکر قریبوں کی طرح طبعی جوش سے نیکی کرنے کا محل ہو تو وہاں طبعی ہمدردی سے نیکی کرو اور اس سے خدا تعالیٰ منع فرماتا ہے کہ تم حدود اعتدال سے آگے گذر جاؤ یا احسان کے بارے میں منکرانہ حالت تم سے صادر ہو جس سے عقل انکار کرے یعنی یہ کہ تم بے محل احسان کرو یا برمحل احسان کرنے سے دریغ کرو یا یہ

کہ تم محل پر ایتاء ذی القربے کے خلق میں کچھ کمی اختیار کر دیا حد سے زیادہ رحم کی بارش کرو اس آیت کریمہ میں ایصال خیر کے تین درجوں کا بیان ہے اول یہ درجہ کہ نیکی کے مقابل پر نیکی کیجائے یہ تو کم درجہ ہے اور ادنے درجہ کا بھلا مانس آدمی بھی یہ خلق حاصل کر سکتا ہے کہ اپنے نیکی کرنے والوں کے ساتھ نیکی کرتا رہے دوسرا درجہ اس سے مشکل ہے اور وہ یہ کہ ابتداءً آپ ہی نیکی کرنا اور بغیر کسی کے حق کے احسان کے طور پر اس کو فائدہ پہنچانا اور یہ خلق اوسط درجہ کا ہے۔ اکثر لوگ غریبوں پر احسان کرتے ہیں اور احسان میں یہ ایک مخفی عیب ہے کہ احسان کرنے والا خیال کرتا ہے کہ میں نے احسان کیا ہے اور کم سے کم وہ اپنے احسان کے عوض میں شکریہ یا دعا چاہتا ہے اور اگر کوئی ممنون منت اس کا مخالف ہو جائے تو اس کا نام احسان فراموش رکھتا ہے بعض وقت اپنے احسان کی وجہ سے اسپر فوق الطاقت بوجھ ڈال دیتا ہے اور اپنا احسان اس کو یاد دلاتا ہے جیسا کہ احسان کرنے والوں کو خدا تعالے متنبہ کرنے کے لئے فرماتا ہے۔ لا تبطلوا صدقٰتکم بالمنّ والاذٰی۔ یعنی اے احسان کرنے والو اپنے صدقات کو جن کی صدق پر بنا چاہیئے احسان یاد دلانے اور دکھ دینے کے ساتھ برباد مت کرو یعنی صدقہ کا لفظ صدق سے مشتق ہے پس اگر دل میں صدق اور اخلاص نہ رہے تو وہ صدقہ صدقہ نہیں رہتا بلکہ ایک ریاکاری کی حرکت ہو جاتی ہے غرض احسان کرنے والے میں یہ ایک خامی ہوتی ہے کہ کبھی غصہ میں آکر اپنا احسان بھی یاد دلا دیتا ہے اسی وجہ سے خدا تعالے نے احسان کرنے والوں کو ڈرایا۔ تیسرا درجہ ایصال خیر کا خدا تعالے نے یہ فرمایا ہے کہ بالکل احسان کا خیال نہ ہو اور شکر گزاری پر نظر ہو بلکہ ایک ایسی ہمدردی کے جوش سے نیکی صادر ہو جیسا کہ ایک نہایت قریبی مثلاً والدہ محض ہمدردی کے جوش سے اپنے بیٹے سے نیکی کرتی ہے۔ یہ وہ آخری درجہ ایصال خیر کا ہے جس سے آگے ترقی کرنا ممکن نہیں لیکن خدا تعالے نے ان تمام ایصال خیر کی قسموں کو محل اور موقع سے وابستہ کر دیا ہے اور آیت موصوفہ میں صاف فرمایا ہے کہ اگر یہ نیکیاں اپنے اپنے محل پر مستعمل نہیں ہونگی تو پھر یہ بدیاں ہو جائینگی۔ بجائے عدل فحشا بنجائیگا یعنے حد سے اتنا تجاوز کرنا کہ ناپاک صورت ہو جائے۔ اور ایسا ہی بجائے احسان کے منکر کی صورت نکل آئیگی یعنے وہ صورت جس سے عقل اور کانشنس انکار کرتا ہے اور بجائے ایتاء ذی القربے کے بغی بنجائے گا یعنی وہ بے محل ہمدردی کا جوش ایک بُری صورت پیدا کریگا اصل میں بغی اس بارش کو کہتے ہیں جو حد سے زیادہ برس جائے اور کھیتوں کو تباہ کر دے اور حق واجب میں کمی رکھنے کو بغی کہتے ہیں اور یا حق واجب سے افزونی کرنا بھی بغی ہے غرض ان

تینوں میں سے جو محل پر صادر نہیں ہوگا وہی خراب سیرت ہو جائیگی۔ اسی لئے ان تینوں کے ساتھ موقع اور محل کی شرط لگادی ہے اسجگہ یاد رہے کہ مجرد عدل یا احسان یا ہمدردی ذی القربیٰ کو خلق نہیں کہہ سکتے بلکہ انسان میں یہ سب طبعی حالتیں اور طبعی قوتیں ہیں کہ جو بچوں میں بھی وجود عقل سے پہلے پائی جاتی ہیں مگر خلق کے لئے عقل شرط ہے اور نیز یہ شرط ہے کہ ہر ایک طبعی قوت محل اور موقع پر استعمال ہو ✣

اور پھر احسان کے بارے میں اور بھی ضروری ہدایتیں قرآن شریف میں ہیں اور سب کو الف لام کے ساتھ جو خاص کرنے کے لئے آتا ہے استعمال فرما کر موقع اور محل کی رعایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے:۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ ۔ لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ ۔ اَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۚ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۔ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ وَفِىْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۔ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ ۔ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً ۔ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝ اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

ترجمہ یہ ہے کہ اے ایمان والو تم ان مالوں میں سے لوگوں کو بطریق سخاوت یا احسان یا صدقہ وغیرہ دو جو تمہاری پاک کمائی ہے یعنی جسمیں چوری یا رشوت یا خیانت یا غبن کا مال یا ظلم کے روپیہ کی آمیزش نہیں اور اور یہ قصد تمہارے دل سے دور رہے کہ ناپاک مال لوگونکو دو اور دوسری یہ بات ہے کہ اپنی خیرات اور مروت کو احسان رکھنے اور دکھ دینے کیساتھ باطل مت کرو یعنی اپنے ممنون منت کو کبھی یہ نہ جتلاؤ کہ ہمنے تجھے یہ دیا تھا اور نہ اس کو دکھ دو کیونکہ اسطرح تمہارا احسان باطل ہوگا اور نہ ایسا طریق پکڑو کہ تم اپنے مالونکو ریاکاری کیساتھ خرچ کرو۔ خدا کی مخلوق سے احسان کرو کہ خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے جو لوگ حقیقی نیکی کرنے والے ہیں ان کو وہ جام پلائے جائینگے جنکی ملونی کافور کی ہوگی یعنی دنیا کی سوزشیں اور حسرتیں اور ناپاک خواہشیں ان کے دل سے دور کردی جائینگی۔ کافور کَفَر سے مشتق ہے اور کفر لغت عرب میں دبانے اور ڈھانکنے کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ انکے جذبات ناجائز دبائے جائینگے اور وہ پاک باطن ہو جائینگے اور معرفت کی خنکی ان کو پہنچیگی پھر فرماتا ہے کہ وہ لوگ قیامت کو اس چشمہ کا پانی پئینگے جسکو وہ آج اپنے ہاتھ سے چیر رہے ہیں اسجگہ بہشت کی فلاسفی کا ایک گہرا راز بتلایا ہے جسکو سمجھنا ہو سمجھ لے اور پھر فرمایا ہے کہ حقیقی نیکی کرنیوالوں کی یہ خصلت ہے کہ وہ محض خدا کی محبت کیلئے وہ کھانے جو آپ پسند کرتے ہیں مسکینوں اور یتیموں اور قیدیونکو کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تم پر کوئی احسان نہیں کرتے بلکہ یہ کام صرف اس بات کیلئے کرتے ہیں کہ خدا ہم سے راضی ہو اور اسکے منہ کیلئے یہ خدمت ہے ہم تم سے نہ تو کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ یہ چاہتے ہیں کہ تم ہمارا شکر کرتے پھرو یہ اشارہ اس بات کیطرف ہے کہ ایصال خیر کی تیسری قسم جو محض ہمدردی کے جوش سے ہے وہ طریق بجالاتے ہیں سچے نیکوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ خدا کی رضاجوئی کیلئے اپنے قریبوں کو اپنے مال سے مدد کرتے ہیں اور نیز اس مال میں سے یتیموں کے تعہد اور ان کی پرورش اور تعلیم وغیرہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں اور مسکینوں کو فقر وفاقہ سے بچاتے ہیں اور اور مسافروں اور سوالیونکی خدمت کرتے ہیں اور ان مالونکو غلاموں کے آزاد کرانے کیلئے اور قرضداروں کو سبکدوش کرنے کیلئے بھی دیتے ہیں اور اپنے خرچوں میں نہ تو اسراف کرتے ہیں نہ تنگدلی کی عادت رکھتے ہیں اور میانہ روش چلتے ہیں پیوند کرنے کی جگہ پر پیوند کرتے ہیں اور خدا سے ڈرتے ہیں اور اُن کے مالوں میں سوالیوں اور بے زبانوں کا حق بھی ہے۔ بیزبانوں سے مراد کتّوں بلّیاں چڑیاں بیل گدھے بکریاں اور دوسری چیزیں ہیں وہ تکلیفوں اور کم آمدنی کی حالت میں اور قحط کے دنوں میں سخاوت سے دل تنگ نہیں ہو جاتے بلکہ تنگی کی حالت میں بھی اپنے مقدور کے موافق سخاوت کرتے رہتے ہیں وہ کبھی پوشیدہ خیرات کرتے ہیں اور کبھی ظاہر پوشیدہ اس لئے

کہ تا ریاکاری سے بچیں اور ظاہر اس لئے کہ تا دوسروں کو ترغیب دیں۔ خیرات اور صدقات وغیرہ پر جو مال دیا جائے اس میں یہ ملحوظ رہنا چاہیئے کہ پہلے جس قدر محتاج ہیں ان کو دیا جائے ہاں جو خیرات کے مال کا تعہد کریں یا اس کیلئے انتظام اہتمام کریں ان کو خیرات کے مال سے کچھ مل سکتا ہے اور نیز کسی کو بدی سے بچانے کیلئے بھی اس مال میں سے دے سکتے ہیں ایسا ہی وہ مال غلاموں کے آزاد کرنے کیلئے اور محتاج اور قرضداروں اور آفت زدہ لوگوں کی مدد کیلئے بھی اور دوسری راہوں میں جو محض خدا کے لئے ہوں ... خرچ ہوگا تم حقیقی نیکی کو ہرگز نہیں پاسکتے جبتک کہ بنی نوع کی ہمدردی میں وہ مال خرچ نہ کرو جو تمہارا پیارا مال ہے غریبوں کا حق ادا کرو مسکینوں کو دو مسافروں کی خدمت کرو اور فضولیوں سے اپنے تئیں بچاؤ یعنے بیاہوں شادیوں میں اور طرح طرح کی عیاشی کی جگہوں میں اور لڑکا پیدا ہونے کی رسوم میں جو اسراف سے مال خرچ کیا جاتا ہے اس سے اپنے تئیں بچاؤ تم ماں باپ سے نیکی کرو اور قریبیوں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور ہمسایہ سے جو تمہارا قریبی ہے اور ہمسایہ سے جو بیگانہ ہے اور مسافر سے اور نوکر اور غلام اور گھوڑے اور بکری اور بیل اور گائے سے اور حیوانات سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں کیونکہ خدا کو جو تمہارا خدا ہے یہی عادتیں پسند ہیں وہ لاپرواہوں اور خودغرضوں سے محبت نہیں کرتا اور ایسے لوگوں کو نہیں چاہتا جو بخیل ہیں اور لوگوں کو بخل کی تعلیم دیتے ہیں اور اپنے مال کو چھپاتے ہیں یعنی محتاجوں کو کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کچھ نہیں +

اور منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے وہ حالت ہے جو شجاعت سے مشابہ ہوتی ہے جیسا کہ شیرخوار بچہ بھی اسی قوت کی وجہ سے کبھی آگ میں ہاتھ ڈالنے لگتا ہے کیونکہ انسان کا بچہ بباعث فطرتی جوہر غلبہ انسانیت کے ڈرانے والے نمونوں سے پہلے کسی چیز سے بھی نہیں ڈرتا۔ اس حالت میں انسان نہایت بےباکی سے شیروں اور دوسرے جنگلی درندوں کا بھی مقابلہ کرتا ہے اور تن تنہا مقابلہ کیلئے کئی آدمیوں کے لڑنے کے لئے نکلتا ہے اور لوگ جانتے ہیں کہ بڑا بہادر ہے لیکن یہ صرف ایک طبعی حالت ہے کہ اور درندوں میں بھی پیدا ہوتی ہے بلکہ کتوں میں بھی پائی جاتی ہے اور حقیقی شجاعت جو محل اور موقع کے ساتھ خاص ہے اور جو اخلاق فاضلہ میں سے ایک خلق ہے وہ ان محل اور موقع کے امور کا نام ہے جنکا ذکر خدا تعالےٰ کے پاک کلام میں اس طرح پر آیا ہے:-

وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْہِ رَبِّھِمْ الَّذِیْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ ۔ وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ یعنے بہادر

وہ ہیں کہ جب لڑائی کا موقع آپڑے یا انپر کوئی مصیبت پڑے تو بھاگتے نہیں ان کا صبر لڑائی اور سختیوں کے وقت میں خدا کی رضامندی کے لئے ہوتا ہے اور اس کے چہرہ کے طالب ہوتے ہیں نہ کہ بہادری دکھلانے کے انکو ڈرایا جاتا ہے کہ لوگ تمہیں سزا دینے کیلئے اتفاق کر گئے ہیں سو تم لوگوں سے ڈرو پس ڈرانے سے اور بھی انکا ایمان بڑھتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ خدا ہمیں کافی ہے یعنی اُن کی شجاعت درندوں اور کتوں کی طرح نہیں ہوتی جو صرف طبعی جوش پر مبنی ہو جس کا ایک ہی پہلو پر میل ہو بلکہ انکی شجاعت دو پہلو رکھتی ہے کبھی تو وہ اپنی ذاتی شجاعت سے اپنے نفس کے جذبات کا مقابلہ کرتے ہیں اور اسپر غالب آتے ہیں اور کبھی جب دیکھتے ہیں کہ دشمن کا مقابلہ قرین مصلحت ہے تو نہ صرف جوش نفس سے بلکہ سچائی کی مدد کیلئے دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں مگر نہ اپنے نفس کا بھروسہ کر کے بلکہ خدا پر بھروسہ کر کے بہادری دکھاتے ہیں اور ان کی شجاعت میں ریاکاری اور خود بینی نہیں ہوتی اور نہ نفس کی پیروی بلکہ ہر ایک پہلو سے خدا کی رضا مقدم ہوتی ہے۔ ان آیات میں سمجھایا گیا ہے کہ حقیقی شجاعت کی جڑ صبر اور ثابت قدمی ہے اور ہر ایک جذبہ نفسانی یا بلا جو دشمنوں کی طرح حملہ کرے اسکے مقابلہ پر ثابت قدم رہنا اور بزدل ہو کر بھاگ نہ جانا یہی شجاعت ہے سو انسان اور درندہ کی شجاعت میں بڑا فرق ہے درندہ ایک ہی پہلو پر جوش اور غضب سے کام لیتا ہے اور انسان جو حقیقی شجاعت رکھتا ہے وہ مقابلہ اور ترک مقابلہ میں جو کچھ قرین مصلحت ہو وہ اختیار کر لیتا ہے۔

اور منجملہ انسان کی طبعی حالتوں کے جو اُس کی فطرت کا خاصہ ہے سچائی ہے انسان جبتک کوئی غرض نفسانی اسکی محرک نہ ہو جھوٹ بولنا نہیں چاہتا اور جھوٹ کے اختیار کرنے میں ایک طرح کی نفرت اور قبض اپنے دلمیں پاتا ہے اسی وجہ سے جس شخص کا صریح جھوٹ ثابت ہو جائے اس سے ناخوش ہوتا ہے اور اس کو تحقیر کی نظر سے دیکھتا ہے لیکن صرف یہی طبعی حالت اخلاق میں داخل نہیں ہو سکتی بلکہ بچے اور دیوانے بھی اس کے پابند رہ سکتے ہیں سو اصل حقیقت یہ ہے کہ جبتک انسان ان نفسانی اغراض سے علیحدہ نہ ہو جو راست گوئی سے روک دیتے ہیں تب تک حقیقی طور پر راستگو نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ اگر انسان صرف ایسی باتوں میں سچ بولے جنمیں اس کا چنداں حرج نہیں اور اپنی عزت یا مال یا جان کے نقصان کے وقت جھوٹ بول جائے اور سچ بولنے سے خاموش رہے تو اسکو دیوانوں اور بچوں پر کیا فوقیت ہے۔ کیا پاگل اور نابالغ لڑکے بھی ایسا سچ نہیں بولتے دنیا میں ایسا کوئی بھی نہیں ہوگا کہ جو بغیر کسی تحریک کے خواہ نخواہ جھوٹ بولے پس ایسا سچ جو کسی نقصان کے وقت چھوڑا جائے حقیقی اخلاق میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ سچ کے بولنے کا

بڑا بھاری محل اور موقع وہی ہے جسمیں اپنی جان یا مال یا آبرو کا اندیشہ ہو اس میں خدا کی یہ تعلیم ہے:- فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور - ولا یاب الشھداء اذا ما دعوا - ولا تکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فانہ اثم قلبہ - واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربیٰ - کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علیٰ انفسکم او الوالدین والاقربین - ولا یجرمنکم شنآن قوم علیٰ الا تعدلوا - والصادقین والصادقات - وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر - لا یشھدون الزور - ترجمہ - بتوں کی پرستش اور جھوٹ بولنے سے پرہیز کرو یعنی جھوٹ بھی ایک بت ہے جس پر بھروسا کرنے والا خدا کا بھروسا چھوڑ دیتا ہے سو جھوٹ بولنے سے خدا بھی ہاتھ سے جاتا ہے اور پھر فرمایا کہ جب تم سچی گواہی کیلئے بلائے جاؤ تو جانے سے انکار مت کرو اور سچی گواہی کو مت چھپاؤ اور جو چھپائیگا اس کا دل گنہگار ہے اور جب تم بولو تو وہی بات منہ پر لاؤ جو سراسر سچ اور عدالت کی بات ہے اگرچہ تم اپنے کسی قریبی پر گواہی دو حق اور انصاف پر قائم ہو جاؤ اور چاہیئے کہ ہر ایک گواہی تمہاری خدا کیلئے ہو - جھوٹ مت بولو اگرچہ سچ بولنے سے تمہاری جانوں کو نقصان پہنچے یا اس سے تمہارے ماں باپ کو ضرر پہنچے اور قریبیوں کو جیسے بیٹے وغیرہ کو - اور چاہیئے کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں سچی گواہی سے نہ روکے سچے مرد اور سچی عورتیں بڑے بڑے اجر پائینگے - ان کی عادت ہے کہ اوروں کو بھی سچ کی نصیحت دیتے ہیں اور جھوٹوں کی مجلسوں میں نہیں بیٹھتے *

منجملہ انسان کے طبعی امور کے ایک صبر ہے جو اس کو ان مصیبتوں اور بیماریوں اور دکھوں پر کرنا پڑتا ہے جو اس پر ہمیشہ پڑتے رہتے ہیں اور انسان بہت سے سیاپے اور جزع فزع کے بعد صبر اختیار کرتا ہے لیکن جاننا چاہیئے کہ خدا تعالے کی پاک کتاب کے رو سے وہ صبر اخلاق میں داخل نہیں ہے بلکہ وہ ایک حالت ہے جو تھک جانے کے بعد ضرورتاً ظاہر ہو جاتی ہے یعنی انسان کی طبعی حالتوں میں سے یہ بھی ایک حالت ہے کہ وہ مصیبت کے ظاہر ہونیکے وقت پہلے روتا چیختا سر پیٹتا ہے آخر بہت سا بخار نکالکر جوش تھم جاتا ہے اور انتہا تک پہنچکر پیچھے ہٹنا پڑتا ہے پس یہ دونوں حرکتیں طبعی حالتیں ہیں انکو خلق سے کچھ تعلق نہیں بلکہ اس کے متعلق خلق یہ ہے کہ جب کوئی چیز اپنے ہاتھ سے جاتی رہے تو اس چیز کو خدا تعالے کی امانت سمجھ کر کوئی شکایت منہ پر نہ لاوے اور یہ کہے کہ خدا کا تھا خدا نے لے لیا اور ہم اس کی رضا کے ساتھ راضی ہیں۔ اس کے متعلق خدا تعالے کا پاک کلام قرآن شریف ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے:- ولنبلونکم

بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ - یعنے اے مومنو ہم تمہیں اس طرح پر آزماتے رہینگے کہ کبھی کوئی خوفناک حالت تم پر طاری ہوگی اور کبھی فقر و فاقہ تمہارے شامل حال ہوگا اور کبھی تمہارا مالی نقصان ہوگا اور کبھی جانوں پر آفت آئیگی اور کبھی اپنی محنتوں میں ناکام رہوگے اور حسب المراد نتیجے کوششوں کے نہیں نکلینگے اور کبھی تمہاری پیاری اولاد مرگی پس ان لوگونکو خوشخبری ہو کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کی چیزیں اور اس کی امانتیں اور اسکے مملوک ہیں پس حق یہی ہے کہ جسکی امانت ہے اس کی طرف رجوع کرے یہی لوگ ہیں جنپر خدا کی رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہیں جو خدا کی راہ کو پاگئے غرض اس خلق کا نام صبر اور رضا برضا الٰہی ہے اور ایک طور سے اس خلق کا نام عدل بھی ہے کیونکہ جب کہ خدا تعالےٰ انسان کی تمام زندگی میں اس کی مرضی کے موافق کام کرتا ہے اور نیز ہزارہا باتیں اس کی مرضی کے موافق ظہور میں لاتا ہے اور انسان کی خواہش کے مطابق اسقدر نعمتیں اسکو دے رکھی ہیں کہ انسان شمار نہیں کرسکتا تو پھر یہ شرط انصاف نہیں کہ اگر وہ کبھی اپنی مرضی بھی منوانا چاہے تو انسان منحرف ہو اور اس کی رضا کے ساتھ راضی نہ ہو اور چون و چرا کرے یا بیدین اور بے راہ ہو جائے ✣

اور منجملہ انسان کے طبعی امور کے جو اسکی طبیعت کے لازم حال ہیں ہمدردی خلق کا ایک جوش ہے قومی حمایت کا جوش بالطبع ہر ایک مذہب کے لوگونمیں پایا جاتا ہے اور اکثر لوگ طبعی جوش سے اپنی قوم کی ہمدردی کیلئے دوسروں پر ظلم کر دیتے ہیں گویا انہیں انسان نہیں سمجھتے سو اس حالت کو خلق نہیں کہ سکتے یہ فقط ایک طبعی جوش ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ حالت طبعی کوّوں وغیرہ پرندوں میں بھی پائی جاتی ہے کہ ایک کوّے کے مرنے پر ہزارہا کوّے جمع ہو جاتے ہیں لیکن یہ عادت انسانی اخلاق میں اسوقت داخل ہوگی جبکہ ہمدردی انصاف اور عدل کی رعایت سے محل اور موقع پر ہو اس وقت یہ ایک عظیم الشان خلق ہوگا جس کا نام عربی میں مواسات اور فارسی میں ہمدردی ہے اسی کی طرف اللہ جلّ شانہ قرآن شریف میں اشارہ فرماتا ہے:۔ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا یعنے اپنی قوم کی ہمدردی اور اعانت فقط نیکی کے کاموں میں کرنی چاہیئے۔ اور ظلم اور زیادتی کے

کاموں میں اُنکی اعانت ہرگز نہیں کرنی چاہیئے اور قوم کی ہمدردی میں سرگرم رہو حکومت اور خیانت کرنے والوں کی طرف سے مت جھگڑو جو خیانت کرنے سے باز نہیں آتے خدا تعالےٰ خیانت پیشہ لوگونکو دوست نہیں رکھتا ❖

تثلیث اور توحید

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

یسوع کی عصمت پر دوسرا اعتراض

ایساہی یہودی آجتک یہ بھی کہتے ہیں کہ یسوع مسیح کا ایک یہ بھی توریت کے رو سے گناہ تھا کہ اس نے ماں کی بے عزتی کی۔ دیکھو متی باب ۱۲۔ ۴۷۔ وہ یہ بھی اسپر الزام رکھتے ہیں کہ وہ عمداً ایک بیگناہ کی نقصان رسانی کا مرتکب بھی ہوا دیکھو متی باب ۵۔ ۱۳۔ اُنکا یہ بھی اعتراض ہے کہ اسوجہ سے بھی توریت اُسکو گنہگار ٹھہراتی ہے کہ اُس نے اپنے شاگردوں کو حرام کا مال کھانے سے منع نہ کیا۔ دیکھو متی باب ۱۱۔ ۱۔ وہ بڑے دعوے اور اصرار سے اسلئے بھی اسکو مجرم ٹھہراتے ہیں کہ اُس نے ایک بدکار اور فاحشہ عورت کو موقع دیا کہ اُسکے بعض عضا سے اپنے اعضا چھوئے اور اپنے مال حرام کا عطر اس کے سر پر ملے۔ دیکھو لوقا۔ باب۔ ۷ ۳۷ و ۳۸۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ توریت کے رو سے نہایت سخت اور قابل نفرت اس سے یہ بھی گناہ ہوا کہ اُس نے خدا کی تحقیر کی اور اپنے تئیں اسکے برابر ٹھہرا کر اس کے نام کو بے عزت کیا۔ پس وہ اس حرکت سے نہ صرف گنہگار بلکہ کافر اور واجب القتل ہوگیا۔ دیکھو یوحنا باب ۵۔ ۱۸۔ اُنکا ایک یہ بھی اعتراض ہے کہ مریم مگدلینی ایک عورت فاحشہ تھی کیوں یسوع نے اسکو اخیر تک اپنے پاس رکھا اور اپنے تئیں اسکی صحبت سے نہ بچایا۔ وہ لوگ اسکے گنہگار ہونے کا یہ بھی موجب ٹھہراتے ہیں کہ اُن کا قول ہے کہ ایک مرتبہ یسوع کسی بیگانہ عورت پر عاشق ہوگیا تھا اور قوم اسرائیل میں اس گناہ کی یہانتک شہرت ہوئی کہ ایک بزرگ نے جو مسیح کا استاد بھی تھا

اس سے وہ حرکت دیکھکر اور سخت ناراض ہو کر ہمیشہ کیلئے اس کو اپنے سے علیحدہ کر دیا دیکھو کتاب سیفر ٹولڈتھ جیشو یہودی لوگ اپنی شرارت اور خباثت سے یہ بھی الزام پیش کرتے ہیں کہ یسوع مسیح کی ماں پاکدامن نہیں تھی یعنے حضرت مسیح کی پیدایش نعوذ باللہ ناجائز ہے اور یہ امر صریح معصوم ہونے کے برخلاف ہے۔ اسجگہ پادری صاحبوں کے لئے بڑی مشکل ہے کیونکہ جبکہ مان لیا گیا ہے کہ یسوع کی پیدایش اپنے باپ کی طرف سے نہیں تھی تو اس بات کا بار ثبوت عیسائیوں کے ذمہ ہے کہ روح القدس بھی عورتوں کو حاملہ کر دیا کرتا ہے اور جبتک نظیروں کے ساتھ اسکا شافی ثبوت پیش نہ کیا جائے تب تک معترضین کا حق ہے کہ اعتراض کریں +

ہندوؤں میں اس قسم کے افسانے بہت ہیں اور پرانوں میں اس قسم کے تذکرے پائے جاتے ہیں کہ بعض عورتوں کو چاند سے حمل ہو گیا تھا اور بعض کو سورج سے اور بعض کو اندر سے اور بعض کو کسی اور دیوتا سے لیکن وہ نظیریں بھی یقینی طور پر پیش کرنے کے لایق نہیں کیونکہ ہندوؤں میں نیوگ کی بھی رسم ہے جو مقدس مانی گئی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ انسانی فطرت کی حیا کے سبب سے نیوگ کی اولاد کو ان اجرام کیطرف منسوب کر دیا گیا ہوگا کیونکہ ہندوؤں کے نزدیک نیوگ کی رسم ایک بڑی مقدس رسم ہے اور گو دوسری قومیں اپنی اجنبیت کی وجہ سے اعتراض کریں مگر چونکہ یہ تمام کارروائی وید کے رو سے ہے اسلئے ایک مہاتما آریہ اس بات سے کچھ بھی کراہت نہیں کرتا کہ کسی وقت اولاد کی ضرورت کی وجہ سے اپنی بیوی کو دوسرے سے ہم بستر کراوے اور وہ بھاگوان اسطرح پر اجنبی مرد کے ذریعہ سے گیارہ تک اولاد نرینہ لے سکتی ہے مگر لڑکیاں حساب سے باہر ہیں گو بیس ہو جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وید کے اوائل زمانہ میں نیوگ میں یہ شرط تھی کہ اس دھرم ریت کے بجالانیوالا کوئی مقدس برہمن ہو اور استعارہ کے طور پر اسی کو سورج یا چاند یا اندر یا اور کوئی آسمانی دیوتا کہدیا کرتے تھے اور جاہلوں سے حقیقت کو چھپانے کیلئے قوم کے بزرگوں میں یہ ایک اصلاح تھی مگر پھر بعد اسکے نیوگ کا مسئلہ بہت وسیع کیا گیا اور برہمن کے لفظ میں بزرگ اور مقدس ہونے کی شرط نہ رہی بلکہ یہ لفظ عام قومیت پر اطلاق پا گیا اور اب بغیر شرط اعمال کے ایک خاص قوم کے لوگوں کو جو شاید ان بزرگوں کی اولاد ہیں برہمن کہا جاتا ہے اور ان ہی سے نیوگ کی رسم کرائی جاتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس رسم کیلئے کسی دوسرے کو جو مضبوط جوان قابل حمل ٹھہرانے کے ہو انتخاب کیا جاتا ہے ہندوؤں میں نیوگ کی رسم بکثرت رہی ہے اور اب بھی ہے مگر یہ کارروائی بہت پردہ سے اور احتیاط سے کیجاتی ہیں غرض ہندوؤں کے خاندانوں کی ایسی نظیروں میں کہ کوئی بچہ بغیر باپ کے پیدا ہو گیا بہت شبہ ہے اسلئے ہم ان سے جیسا کہ چاہیئے فائدہ نہیں اٹھا سکتے اور یونانیوں میں بھی ایسے تذکرے ہیں مگر دراصل یونانی گویا یورپ کے ہندو ہیں پس کچھ شک نہیں کہ وہ بھی نیوگ

کی رسم کو پوشیدہ رکھکر ایسے بچوں کو دیوتاؤں کی طرف منسوب کرتے رہے ہیں یا یوں کہو کہ انہوں نے بھی مقدس انسانوں کو دیوتا ہی سمجھ لیا تھا۔ اور ہندوؤں میں تو ابتک عام خیال کیا جاتا ہے کہ رشی رکھی سب پرمیشر کے ہی مورت ہیں اسی وجہ سے بہت سی عورتیں جگن ناتھ یا کاشی جی کے مندروں میں کسی مقدس برہمن سے اولاد لینے کیلئے پڑی رہتی ہیں اور بعض جوگی جو بڑے مرتاض اور سدھ گویا پرمیشر کا روپ کہلاتے ہیں وہ اجدھیا یا کاشی یا جگن ناتھ جی کے جنگلوں میں کسی تالاب یا کسی بھاری سرسبز درخت کے نیچے پرمیشر کے دھیان میں بیٹھے رہتے ہیں اور تپ میں سخت درجہ پر محو ہوتے ہیں اور ایسی انقطاع کی حالت ان پر طاری ہوتی ہے کہ سچ مچ ایشر ہی کے اوتار نظر آتے ہیں اور وہ بدقسمت ہندو جن کو اولاد کی کمی ہے وہ وید کی آگیا سے ان دھرم مورت رشیوں کی خدمت میں اپنی جوان عورتیں ہر طرح سے آراستہ کر کے بھیجدیتے ہیں اور کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ چند دن میں ہی وہ عورتیں حاملہ ہو کر گھروں میں آجاتی ہیں اور شاید رام جنی کا لفظ جو ہندو مذہب کے طوائف پر بولا جاتا ہے اسکی اصلیت بھی یہی ہے کہ ان مقدسوں کو رام یعنے پرمیشر سمجھا جاتا ہے اور اسطرح کی ذریت رام جنی کہلاتی ہے ÷

غرض جس بات کی ہم تلاش میں تھے یعنے یہ کہ بغیر باپ کے پیدا ہونا اسکی نظیر یقینی طور پر ہندوؤں اور یونانیوں میں ہمیں نہیں ملسکی بلکہ اکثر یہ قصے استعاروں کے رنگ میں پائے گئے گو ممکن ہے کہ ایسا بھی ہو لیکن امکان ثبوت کے قائمقام نہیں ہو سکتا پھر جبکہ یہود اس قسم کی پیدایش کو مانتے نہیں اور عیسائیوں کے پاس اس قسم کے نظائر نہیں تو اس مسئلہ کے حل کرنے میں بڑی مشکلات کا سامنا ہے۔ چونکہ مخالف کی نظر حضرت مسیح جیسے نبی کی پاک فطرت پر دھبہ لگاتی ہے اور معصوم ہونے کے دعوے کو سر سے اڑا دیتی ہے اسلئے میرے خیال میں پادری صاحبوں کا یہ فرض ہے کہ سب سے پہلے اس مشکل پیش آمدہ سے کوئی رہائی کی راہ نکالیں۔ اور یہ کہنا کہ مسیح خدا تھا اس کو باپ کی کیا حاجت تھی یہ دعوے پر دعوے ہے کیونکہ ابھی کہاں ثابت کیا گیا ہے کہ درحقیقت وہ خدا ہے کیا چند معمولی نشان جو محض قصوں کے رنگ میں پائے جاتے ہیں اور ایسے فوق العادت امور میں دوسرے نبی شریک بھی ہیں ان قصوں سے خدائی ثابت ہو جائیگی؟ ماسوا اس کے اگر فرض کے طور پر مان لیا جاوے کہ مسیح چونکہ خدا تھا اسلئے وہ بغیر باپ کے پیدا ہو سکتا تھا تو ساتھ ہی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر باوجود خدا ہونے کے اس کو ماں کی حاجت کیوں پڑی۔ اور ایک منکر کہ سکتا ہے کہ جبکہ مسیح بغیر ماں کے پیدا نہیں ہو سکا تو اس سے قیاس کر سکتے ہیں کہ باپ بھی کہیں مخفی ہوگا اور چونکہ ہم کسی مخالف کا بغیر حجت قوی کے منہ نہیں بند کر سکتے اس لئے اس سوال کا ہمارے پاس کیا جواب ہے اگر کوئی یہ کہے کہ کیوں جائز نہیں کہ اندر اور چاند کی اولاد کی طرح اسجگہ بھی کوئی استعارہ ہی ہو اور

صدیقہ کے حمل کیلئے کوئی مخفی صدیق ہو اور ایک عیسائی کی طرف سے یہ جواب نیک نیتی سے نہیں ہو سکتا اور نہ بطور حجت صحیحہ کے قابل استدلال کہ قرآن نے حضرت مسیح کی ولادت کو بے پدر مان لیا ہے کیونکہ جس حالتمیں قرآن کی وحی انکے نزدیک خدا کی طرف سے نہیں ہے، بلکہ نعوذ باللہ انسانی افترا ہے تو کیا وہ انسانی افترا سے اپنی بات کو سرسبز کرنا چاہتے ہیں پس قرآن کی شہادت اُن کو کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتی بجز اس کے کہ وہ قرآنی وحی کو منجانب اللہ قبول کرلیں ❖

اس مشکل کے حل کرنے کیلئے مسلمانوں میں سے ایک فرقہ نے جو نیچریوں کے نام سے مشہور ہیں اس خیال کو ظاہر کیا ہے کہ درحقیقت عیسیٰ علیہ السلام اپنے باپ یوسف کے نطفہ سے تھے لیکن یہ خیال عقل اور نقل دونوں کے مخالف ہے کیونکہ اگر صرف اتنی ہی بات تھی کہ حضرت مسیح بھی اپنے چار اور بھائیوں کیطرح یوسف کے نطفہ سے پیدا ہوئے تھے تو عقل قبول نہیں کرسکتی کہ جو شور قیامت حضرت مریم کے سر پر یہودیوں نے مچایا جس کو قرآن شریف نے آیت وما کانت امّك بغیّا میں بیان فرمایا ہے وہ ایسی معمولی اور جائز پیدائش میں مچایا جاتا اور نقل سے اسلئے یہ خیال مخالف ہے کہ قرآن کی نص صریح سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مریم ابھی پیٹ میں ہی تھیں کہ ان کی والدہ نے اپنے پر یہ نذر مان لی تھی کہ اس نے اپنے پیٹ کے بچے کو ہیکل یعنی خانہ خدا کی خدمت کے لئے تمام عمر تک وقف کر دیا ہے اور عہد کر لیا ہے کہ وہ بچہ جو پیٹ میں ہے ہمیشہ کیلئے دنیا کے تعلقات اور نیز تعلق بیوی یا میاں سے دست بردار رہیگا تو اس صورت میں کیونکر ممکن تھا کہ برخلاف عہد کے مریم صدیقہ کا ناطہ کسی شخص سے کیا جاتا بلکہ وہ پیدا ہونے پر نذر کے موافق ہیکل کے بزرگوں کے سپرد ہو چکی تھی اور ماں باپ قطعاً اس سے دست بردار ہو گئے تھے جیسا کہ آیت وکفلها ذکریا سے ظاہر ہے یعنی بعد اس کے کہ وہ لڑکی ماں باپ نے ہیکل کے بزرگوں کے حوالہ کر دی ذکریا نبی اسکی پرورش کا متکفل ہو گیا اور یہودیوں میں یہ قدیم رواج تھا کہ اس طرح پر ہیکل کی خدمت کیلئے راہبانہ زندگی بسر کرنے والے لڑکے اور لڑکیاں ماں باپ کی نذر مقرر کرنے سے مقرر ہو جاتی تھیں۔ اسی قصہ کو قرآن شریف کی یہ دو آیتیں تصریح سے بیان کرتی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں :۔

اذ قالت امرأة عمران ربّ انی نذرت لك ما فی بطنی محرّرا فتقبل منی انك انت السمیع العلیم۔ دیکھو سورۃ آل عمران۔ یعنی وہ وقت یاد کر جبکہ عمران کی بی بی نے جناب الٰہی میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے پیٹ میں جو بچہ ہے اسکو میں تعلقات زوجیت اور دوسرے کاروبار دنیا سے آزاد رکھکر تیری نذر کرتی ہوں پس میری نذر قبول کر تو سمیع علیم ہے۔ اس آیت میں دو لفظ قابل یادداشت ہیں ایک

نذر اور دیگر محررات۔ نذر کا لفظ اس چیز پر بولا جاتا ہے جس کو انسان اپنے دلمیں کسی خاص شخص کیلئے مخصوص کر لیتا ہے اور محرر کا لفظ اسکی تاکید میں ہے جس سے یہ مطلب ہے کہ کسی طرح سے غیر کو اسمیں اشتراک نہیں ہوگا یہانتک کہ والدین بھی ایسے بچہ سے اپنی اطاعت نہیں چاہتے اور نہ کسی اور کی قید اطاعت میں اسکو لاتے ہیں پس ان آیات سے صاف ثابت ہے کہ مریم کو نذر کے طور پر ہیکل کی خدمت کیلئے آکر بٹھایا گیا تھا اور چونکہ توریت میں حکم ہے کہ اپنی نذروں اور قسموں کو پورا کرو اسلئے والدین کا اختیار نہ تھا کہ وہ اپنی نذر کو توڑ کر مریم کا کسی سے ناطہ کر دیتے لہذا یہ خیال کہ مریم کا یوسف سے ناطہ ہو گیا تھا اور اس کے بعد یوسف سے حمل ہو گیا نہایت جاہلانہ خیال اور نص صریح قرآن کے مخالف ہے اور انجیل بھی اس خیال کی تکذیب کرتی ہے کیونکہ وہ انجیلیں جو حال میں لندن میں چھپی ہیں جو ان چار انجیلوں کے علاوہ ہیں ان میں بھی یہ نذر کا قصہ موجود ہے جو قرآن شریف سے مطابقت رکھتا ہے بلکہ اُن میں لکھا ہے کہ نہ صرف ماں نے یہ نذر مانی تھی بلکہ مریم کے باپ نے بھی نذر مانی تھی اور خود مریم نے بھی بالغ ہو کر نئے سر سے اپنے اقرار اور عہد سے اس نذر کی تجدید کی تھی یعنے خدا کے آگے عہد کیا تھا کہ وہ مرتے دم تک خاوند نہیں کریگی اب اسجگہ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ باوجود اس موکد عہد اور نذر کے کہ مریم کے باپ اور ماں اور خود مریم کیطرف سے تھا پھر کیوں مریم نے خاوند کر لیا اور توریت کے حکم کو توڑ دیا ۔

اس سوال کا جواب کسی پادری صاحب نے صفائی سے نہیں دیا لیکن حال میں مجھے ایک فاضل یہودی کی کتاب ملی ہے جس نے صحیح طور پر اس عقدہ کو حل کر دیا ہے وہ کہتا ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ مریم جب ہیکل کی خدمت کے لائق ہوئی تو کچھ مدت تو نیک نامی کے ساتھ خدمت میں مشغول رہی لیکن بالغ ہونے کیساتھ ہی کسی نامعلوم طریق سے اسکو حمل ہو گیا اور اسپر شبہات پیدا ہوئے اور یہودیوں نے ایک رومی سپاہی پر یہ الزام لگایا بہرحال جب وہ حاملہ پائی گئی تو ہیکل کے منتظم بزرگوں کو یہ امر بہت شاق گذرا اور انہوں نے اس حمل کے بعد مریم کو ہیکل کی خدمت پر رکھنا نامناسب تصور کیا اسلئے انہوں نے کوشش کر کے ایک بوڑھا آدمی بنی اسرائیل میں سے تلاش کیا جس کا نام یوسف تھا اور اسکو مجبور کیا کہ مریم کو اپنے نکاح میں لاوے وہ شخص بوڑھا بھی تھا اور وجہ معاش بھی نہایت قلیل تھی یعنے بڑھئی تھا اور اس کے گھر میں اسکی جورو بھی زندہ موجود تھی ان مشکلات کے سبب سے مریم کے جورو بنانے سے اس نے انکار کیا اور بزرگوں کی خدمتمیں باادب عرض کی کہ میں بوڑھا ہوں اور میرے گھر میں ایک بیوی موجود ہے اور بچے بھی ہیں اسلئے مجھے اس نکاح سے معاف رکھا جائے مگر بزرگوں نے بہت اصرار کر کے بسرعت تمام مریم کا اس سے نکاح کرا دیا اور مریم کو ہیکل سے رخصت کر دیا تا خدا کے مقدس گھر پر نکتہ چینیاں نہ ہوں پھر کچھ تھوڑے دنوں کے بعد ہی وہ لڑکا

پیدا ہو گیا جس کا نام یسوع رکھا گیا۔ آجتک یہود اس بات کو نہیں مانتے کہ وہ لڑکا معجزہ کے طور پر پیدا ہوا تھا غرض اس یہودی فاضل کا یہ بیان ہے جو ہمنے لکھا اور اس بیان سے بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے کہ کیوں ضرورت نکاح کی پڑی تھی اور اس کے مقابل پر جو انجیلوں میں یہ بیان ہے کہ گویا مریم صدیقہ کا معمولی طور پر جیسا کہ دنیا جہان میں دستور ہے یوسف سے ناطہ ہوا تھا یہ بالکل دروغ اور بناوٹ ہے بلکہ سچ بات یہی ہے کہ ہیکل کے منتظم بزرگوں نے ایک باکرہ عورت کے حمل کو دیکھکر اور دشمنوں کے اعتراض سے ڈرکر اور خاندان کی فضیحت سے اندیشہ کر کے پردہ پوشی کیلئے یہ تدبیر سوچی تھی اور ہر چند وہ جانتے تھے کہ ایسا نکاح توریت کے برخلاف ہے کیونکہ وہ عہد جو مریم کے تارک رکھنے میں خدا سے کیا تھا۔ وہ اسمیں ٹوٹتا تھا تاہم ننگ و ناموس کی مصلحت نے اور شماتت اعدا کے خوف نے ان کو اس کام کیلئے سخت مجبور کر دیا تھا اور ہر چند اس حمل کو اس طرح پوشیدہ کیا گیا تھا تاہم شریر یہودیوں نے جو اس خاندان کے دشمن تھے ناجائز طور پر شہرت دیدی تھی چنانچہ آجتک انہی خیالات سے وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام کو جو یسوع ہے یسو بولتے ہیں یعنی بغیر عین کے اور یہ ایک ایسا گندہ لفظ ہے جس کا ترجمہ کرنا ادب سے دور ہے اور میرے دلمیں گذرتا ہے کہ قرآن شریف نے جو حضرت مسیح علیہ السلام کا نام عیسیٰ رکھا وہ اسی مصلحت سے ہے کہ یسوع کے نام کو یہودیوں نے بگاڑ دیا تھا اور ایسے بد خطابوں سے ان کا یہ مطلب تھا کہ تا اپنی جبلی شرارتوں سے حضرت مسیح اور ان کی والدہ صدیقہ کے چال چلن پر ناجائز حملہ کریں اور اُن کو عصمت اور طہارت سے محروم قرار دیں پس جس نہایت مکروہ صورت پر حضرت عیسیٰ اور اُن کی والدہ پر بہتان لگائے گئے اور اُن کی عیب شماری کی گئی اسکی نظیر دوسرے تمام نبیوں میں نہیں پائی جاتی۔ حضرت مریم صدیقہ اور اُن کے سعید لڑکے کو ایسے بہتانوں سے جو کچھ دل پر صدمہ پہنچا ہو گا اُس کا اندازہ ہر ایک شریف کر سکتا ہے ✤

انہی بہتانوں کیوجہ سے یہود پر یہ پھٹکار پڑی کہ جو عیب وہ حضرت مریم اور حضرت مسیح پر لگاتے تھے وہی عیب ان کے مردوں اور عورتوں میں پھیل گئے کیونکہ یہ سنت اللہ ہے کہ جو قوم کسی نبی پر کوئی عیب لگاتی ہے اس عیب میں خود گرفتار ہو جاتی ہے مثلاً یورپ کے پادریوں اور ان کے پیرؤوں نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فسق و فجور کا عیب لگایا تھا آخر یہ لوگ جسقدر استیفاء لذات اور ناجائز شہوات میں گرے اور جس قدر ایک گروہ کثیر یورپ کے مردوں اور عورتوں نے کھلی کھلی حرام کاری کے نمونے دکھلائے دوسرے ملکوں میں اسکی نظیر تلاش کرنا ایک عبث کوشش ہے غرض جو کچھ حضرت مسیح اور اُن کی والدہ کی نسبت یہود نامسعود نے ایک طومار عیبوں کا جمع کر رکھا ہے اور جیسا کہ اُن کی ساری زندگی گناہ سے بھری ہوئی زندگی قرار دی ہے یہ نظارہ پادریوں کیلئے ایک نہایت عبرت کا نظارہ ہے اور اس سے سمجھ آسکتا ہے کہ کیونکہ ہر ایک شخص کیلئے عیب جوئی کا میدان وسیع ہے۔ پھر ان خیالات

میں پڑا کہ دوسرے تمام نبیوں کو گنہگار قرار دیں اور مسیح کا نام معصوم رکھیں گویا خود لوگوں کو اس طرف توجہ دلانا ہے کہ اٹھو تم بھی یسوع مسیح کے عیبوں کی تلاش کرو۔ وہ یاد رکھیں کہ اس غیر مہذب اور گندے طریق میں پڑ کر اُن کو کامیابی نصیب نہیں ہوگی اور نہ یہ شریفوں اور نیک فطرت انسانوں کی عادت ہو سکتی ہے کہ خدا کے اُن مقدس نبیوں کو گالیاں دیں اور اُن کا نام فاسق اور فاجر رکھیں جن کو اُس قادر حقیقی نے کروڑہا مخلوقات کے پیشوا ٹھہرا کر جاہ و جلال کے تخت پر بٹھا دیا ہے خوب یاد رکھو کہ تم دوسرے نبیوں کو بد کہکر مریم کے بیٹے کو نیک نہیں بنا سکتے خدا کے تمام پاک نبی ایک وجود کے حکم میں ہیں جب وجود واحد میں سے ایک عضو کی صحت خراب ہو جائے تو سارے وجود کی صحت خراب ہو جاتی ہے کسی کا عیب مت تلاش کرو کہ وہی عیب تم پر لگایا جائیگا یہ گمان مت کرو کہ دوسرے نبیوں کو عیبناک ٹھہرا کر یسوع مسیح بے عیب ثابت ہو جائیگا بلکہ خدا کی غیرت جو اس کے پاک نبیوں کیلئے ہے وہ تمہیں دکھلائیگی کہ یسوع کے مخالفوں نے سب سے زیادہ اسکے عیب دکھلائے ہیں یہانتک کہ انہوں نے اسکی والدہ کی عزت پر حملہ کر کے یسوع کی ولادت کو بھی عیبناک صورت میں دکھلایا ہے پھر **معصوم** کیسا اور عصمت کس بات کی۔ یہ قرآن شریف کا مسیح اور اس کی والدہ پر **احسان** ہے کہ کروڑہا انسانوں کی یسوع کی ولادت کے بارے میں زبان بند کر دی اور اُن کو تعلیم دی کہ تم یہی کہو کہ وہ بے باپ پیدا ہوا تھا ورنہ اگر قرآن بھی وہی رائے حضرت مسیح کی ولادت اور ان کی ماں کی چال چلن کی نسبت ظاہر کرتا جو یہودیوں نے ظاہر کی تھی تو تمام دنیا اسی کثرت رائے کیطرف مائل ہو جاتی اور ضرورۃً اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ حضرت مسیح اور اُن کی ماں کی معصومیت ثابت کرنا ایک امر محال اور غیر ممکن ہو جاتا۔ اور گو اب بھی لوگوں کو اس جدید منطق کیطرف راہ نہیں کہ کیونکر روح القدس کنواری عورتوں کو عطیہ حمل عطا کر دیا کرتا ہے اور نہ کسی کے پاس اس کی نظیریں ہیں لیکن چونکہ اسلام نے وحی الٰہی کی اطاعت سے اس قسم کے حمل کو مان لیا ہے اسلئے ایمانی رنگ میں کسی دلیل سے مسلمانوں کو قبول کرنا پڑا کہ ایسا ہی ہوگا *

اب حاصل کلام یہ ہے کہ مسیح کا یہ کہنا کہ مجھے کیوں نیک کہتا ہے اس سے یہ مراد ہرگز نہیں ہو سکتی کہ مسیح اس طرح کی تعریف سے ناخوش تھا جبتک اس کو خدا خدا کر کے نہ پکارا جائے بلکہ ہر ایک بھلا انسان کا کانشنس اسی پر گواہی دیتا ہے کہ مسیح نے خدا کی عصمت اور جلال کو یاد کر کے اور اپنی فطرتی کمزوریوں کو تصور میں لا کر نہ چاہا کہ اسکو نیک کہا جاوے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ مسیح نے اس کلمہ سے اُس نیک کہنے والے کو یہ بھی جتلایا ہو کہ جب کہ تم لوگ اپنے دلوں میں مجھے اچھا نہیں جانتے اور کہتے ہو کہ یہ شخص شراب خوار اور بے قید اور اجنبی

عورتوں سے تعلق رکھنے والا ہے اور ماں باپ کی عزت نہیں کرتا اور نہ سبت کی تعظیم کرتا ہے بلکہ میری ماں پر بھی ایسی ایسی تہمتیں لگاتے ہو تو پھر زبان سے مجھے نیک کہنا کیا فائدہ۔ زبان سے وہی بات کہو جو تمہارے دل میں ہے یہ خیال اسلئے قرین قیاس ہے کہ یہود ابتک مسیح کو اچھا نہیں جانتے جس شخص نے یہودیوں کی کتابیں دیکھی ہونگی یا ان کے علماء سے مسیح کے چال چلن کی نسبت کچھ استفسار کیا ہوگا وہ میرے اس بیان کی تصدیق کریگا کہ عیسائیوں نے جو کچھ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نکتہ چینی کی ہے وہ اس نکتہ چینی سے بہت ہی تھوڑی ہے جو یہودی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کیا کرتے ہیں کوئی ایسا الزام جو تقویٰ اور نیک چلنی کے برخلاف ہو تصور میں نہیں آسکتا جو یہود نے حضرت مسیح اور ان کی ماں اور اُن کے حواریوں پر نہیں لگایا جس قدر گستاخی سے حضرت مسیح اور انکی ماں کی نسبت انہوں نے عیب شماری کی ہے ایک مسلمان کی قلم سے وہ باتیں نہیں نکل سکتیں لیکن یہودیوں کے اعتراضات کا توڑنا سہل بات نہیں وہ خدا کے مقدس کلام کو پیش کر کے لکھتے ہیں کہ ضرور تھا کہ سچے مسیح سے پہلے ایلیا نبی دوبارہ دنیا میں آجاتا جیسا کہ ملاکی کی کتاب میں بصراحت موجود ہے پھر ابن مریم سچا مسیح کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے آنے سے پہلے ایلیا آسمان سے نازل نہیں ہوا یہودی مسیح کی اس تاویل کو نہیں مانتے کہ ایلیا کے نزول سے مراد کوئی اور شخص ہے یعنے یوحنا جو ایلیا کے خو اور طبیعت پر آیا وہ کہتے ہیں کہ یہ ملحدانہ تاویل ہے اور ایک گناہ ہے جو اس سے ظہور میں آیا کیونکہ اس نے اپنے تئیں مسیح صادق ٹھہرانے کیلئے خدا کے کلام کی تحریف کی۔ ایک یہودی فاضل اپنی کتاب میں جو اس وقت میرے سامنے رکھی ہے لکھتا ہے کہ ہمارے لئے خدا کے سامنے یہ حجت بس ہے کہ خدا نے ملاکی نبی کے صحیفہ میں یہ خبر دی ہے کہ خود ایلیا نبی دوبارہ دنیا میں آئیگا۔ یہ نہیں کہا کہ اس کا مثیل آئیگا پھر اُن کا ایک اور اعتراض یہ ہے کہ انجیلوں میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ مریم روح القدس سے حاملہ پائی گئی لیکن اعمال باب ۲۔ ۳۰ میں لکھا ہے کہ خدا نے داؤد نبی سے قسم کھا کر کہا کہ مسیح تیری نسل سے ہوگا اگر مسیح روح القدس سے ہے تو داؤد کی نسل سے کیسے ہو سکتا ہے اور توریت سے ظاہر ہے کہ نسل مرد سے کہلاتی ہے +

یسوع کی عملی غلطیاں

اب اس امر کا لکھنا بھی اسجگہ غیر موزون نہ ہوگا کہ جس قدر مسیح کی عصمت اور راستبازی کے بارے میں یہودیوں نے نکتہ چینیاں کی ہیں عیسائی قوم کے بعض محققوں نے اُن سے کم نہیں کیں وہ کہتے ہیں کہ

انسان معصوم وہ ہوتا ہے کہ جو غلطی کرنے سے بھی معصوم ہو اور گناہ سے بھی معصوم ہو لیکن مسیح سے دونوں رنگ میں خلاف عصمت حرکات صادر ہوئی ہیں وہ اخیر عمر تک شراب پیتا رہا اور شراب پینے کا حامی تھا اور شراب پینے والی اور بدکار عورتوں کی اُس کے* پاس* آمدو رفت تھی وہ بعض ناکردہ گناہ لوگوں کی نقصان رسانی کا بھی موجب ہوا اور اُس نے شراب کو عشاء ربانی یعنے ایک مذہبی رسم میں داخل کر کے عیسائی مذہب میں ہمیشہ کیلئے برا نمونہ قائم کیا جس کا خمیازہ آج تک یورپ کی قوموں کو کھینچنا پڑا یعنے شراب کا رواج حد سے زیادہ ہو گیا۔

پس کیونکر کہ سکتے ہیں کہ وہ گناہ سے معصوم تھا اور گنہگار نہ تھا ایسا ہی وہ خطا سے بھی معصوم نہ تھا چنانچہ ظاہر ہے کہ اُس نے محض اپنی ذاتی غرض پر نظر رکھکر الیاس کی دوبارہ آنے کی پیشگوئی کے حقیقی معنے ترک کر کے تاویل کے طور پر بیان کیا اور کہا کہ ایلیا خود نہیں بلکہ اس کی خو اور طبیعت پر کوئی اور آگیا ہے حالانکہ ملاکی نبی کے صحیفہ میں صاف لکھا تھا کہ مسیح سے پہلے ایلیا کا دوبارہ آنا ضروری ہے مسیح کو اس تاویل کی اسلئے حاجت پڑی کہ وہ حقیقی معنوں کے رو سے جو ظاہر الفاظ سے نکلتے ہیں سچا نبی بھی نہیں ٹھہر سکتا تھا چہ جائے کہ اُس کو خدا بنایا جاتا۔ پس اس صورت میں اگر مسیح کی نسبت بہت ہی نرمی اور نیک ظنی کیجائے تب بھی اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہودیوں کے مقابل پر مسیح نے صریح غلطی کی راہ اختیار کی ہے یا یوں کہو کہ خواہ نخواہ سچا مسیح بننے کیلئے ظاہر اور کھلے کھلے معنوں کو عمداً ترک کر دیا ہے اگر مسیح نے صحت نیت اور ایمانداری سے انہی معنوں کو صحیح سمجھا ہے یعنی یہ کہ حقیقی طور پر ایلیا کی آمد ثانی مراد نہیں ہے بلکہ کسی اور کا آنا مراد ہے تو پھر اُس نے اپنی آمد ثانی کے بارے میں یہی معنے کیوں بیان نہ کئے کہ وہ خود دوبارہ دنیا میں نہیں آئیگا بلکہ کوئی اور شخص جو اسکی خو اور طبیعت پر ہوگا آئیگا اب صاف ظاہر ہے کہ ایلیا کی آمد ثانی جس کے آجتک یہودی منتظر ہیں مسیح کے دعوے کو باطل کرتی تھی اور اسکو کاذب ٹھہراتی تھی اسلئے اس نے اپنے تئیں سچا مسیح بنانے کیلئے یہی مصلحت دیکھی کہ ایلیا کی حقیقی آمد ثانی سے انکار کر دے بجز اس کے اُسکے لئے کوئی اور راہ نہ تھی اور نہ یہ قدرت تھی کہ اس کو زندہ کر کے پیش کر سکتا لیکن اپنی آمد ثانی میں اُسکی ایک اور مصلحت تھی اور وہ یہ کہ مسیح کا یہ دعوےٰ کہ داؤد کا تخت دوبارہ قائم کرنیکے لئے میں

---

* یہ مریم مگدلینی اور نیز اُس فاحشہ عورت کی طرف اشارہ ہے جس نے مسیح کے سر پر اپنا عطر ملا تھا اور نیز اس قصہ کی طرف اشارہ ہے جو یہودیوں میں مشہور ہے جو مسیح ایک دفعہ ایک عورت پر عاشق ہو گیا تھا اور اسکی وجہ سے بعض بزرگوں نے ہمیشہ کیلئے اس سے ترک ملاقات کر دی تھی دیکھو ایک یہودی فاضل کی تالیف سیفر ٹولدتھ جیشو +

* انجیل سے مسیح کا شرابی اور جرائم پیشہ لوگوں کا یار ہونا ثابت ہے، دیکھو انجیل متی باب ۱۱-۱۹ +

بھیجا گیا ہوں اُس وقت صحیح ثابت نہیں ہوا اور جس قدر لوگ اس دعوےٰ کی امید پر اس کے ساتھ ہوئے تھے بہتیرے ان میں سے مرتد ہو گئے لہذا مسیح نے اپنی پہلی کلام کو بدلکر یہ کہنا شروع کیا کہ میری بادشاہت زمین کی نہیں بلکہ آسمان کی ہے اس سے بہتوں کی امیدیں ٹوٹ گئیں کیونکہ یہودی تو زمین کی بادشاہت کے بھوکے اور پیاسے تھے وہ آسمان کی محض ایک وہمی بادشاہت سے کیونکر تسلی پکڑ سکتے تھے وہ تو اسی امید پر جیتے تھے کہ ایسا مسیح اُن کی قوم میں سے ظاہر ہوگا کہ جو زمین پر ایک زبردست بادشاہت قائم کریگا اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کر کے انکی ماتحتی سے انکو نجات دیگا۔ اب بجائے اس کے کہ انکی سالہا سال کی امیدیں پوری کیجاتیں حضرت مسیح اس طرح پر اُنکو تسلی دینے لگے کہ نجات دینے سے مراد گناہ سے نجات دینا ہے اور بادشاہت سے مراد آسمانی بادشاہت ہے اور ایلیا سے مراد یوحنا ہے جو اسکی خو اور طبیعت پر آگیا ان استعاروں پر ایمان لاؤ اور غیر قومونکی ذلت غلامی کرو اور خوش رہو میں تمہارا ضرور منجی ہوں مگر روحانی طور پر اور ضرور بادشاہ ہوں مگر آسمانی طور پر۔ اب وہ بیچارے مصیبت کے مارے جو غیر طاقتوں کے پیروں کے نیچے کچلے گئے تباہ ہو گئے برباد ہو گئے ویران ہو گئے ملک سے جلاوطن کئے گئے غلام بنائے گئے ذلیل کئے گئے ایسے منجی کو کیا کرتے اور ان چند لفظوں پر کیونکر خوش ہو سکتے تھے کوئی عمدہ نمونہ بھی تو نظر کے سامنے نہ تھا حواری جنہوں نے اس منجی کو قبول کر لیا تھا وہ بھی طرح طرح کے لالچوں اور عیبوں میں گرفتار تھے جنہوں نے اس منجی پر ہی آخر کار لعنت بھیجی پھر جبکہ یہودیوں کو کوئی کارنمایاں کرشمہ نجات کا دکھائی نہ دیا تو پھر وہ کیونکر مسیح کو منجی مان لیتے انہوں نے بارہا عرض کی کہ حضرت ہمارے گناہوں کا آپ کچھ فکر نہ کریں اسکا ہم خود تدارک کر لینگے ہمارے لئے اس کوچہ کی رہنما توریت کافی ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ اس کا کچھ زیادہ تر بندوبست کر ہی نہیں سکتے کیونکہ آپ کے شاگردوں میں کوئی عمدہ نمونہ استقامت اور ترک دنیا کا ظاہر نہیں پھر ہمیں آپ روحانی نعمت کونسی دینگے ان باتونکو جانے دیجئے ہم انکو قبول نہیں کر سکتے بلکہ ایسی بیہودہ باتوں سے قوم کو زیادہ تر نفرت ہوتی جاتی ہے اگر آپ سچے مسیح ہیں اور نوشتوں کے موافق ہمارے دردوں دکھوں کو دور کرنے آئے ہیں تو ہماری قومی کمزوری کا کچھ بندوبست کیجئے غیر طاقتوں کی ماتحتی سے ہمیں رہائی دیجئے جلاوطن شدہ فرقوں کو پھر وطن کا منہ دکھلائیے جسمانی مصیبتوں سے توریت کے وعدہ کے موافق مخلصی دلائیے اور موسیٰ کیطرح فرعونیوں پر ہاتھ صاف کیجئے پھر آپ ہمارے اور ہم تمہارے ہیں مگر ایسے مسیح کو ہم کیا کریں کہ جو ایک ذرہ بھی ہماری اُن مصیبتونکو دور نہیں کر سکتا جنہوں نے اسرائیل کی قوم کو آگ کیطرح کھا لیا ہے اور لوہے کے تنور میں ڈال دیا ہے۔ یہ یہودیونکا ایسا سوال تھا جس کا جواب مسیح کو کچھ بھی نہیں آیا مگر وہ دل میں محسوس کر گیا کہ اب میں انکے سامنے لاجواب ہوں تب اس نے چالاکی سے ایک تیسرا پہلو بدلا یعنے پہلے تو یہ کہا تھا کہ ابھی میں

داؤد کا تخت قائم کرونگا اور جب وہ بات غیر ممکن نظر آئی تو جھٹ کہدیا کہ میری بادشاہت آسمانی ہے اور جب یہود نے آسمانی بادشاہت پر بھی ہنسی کی تو اب تیسرا پہلو یہ بدلا کہ اب تو میں زمین کا بادشاہ ہو نہیں سکتا باپ کی یہی مصلحت ہے۔ مگر آخری زمانہ میں میں بڑے جلال کے ساتھ اترونگا اور اسرائیل کی قوم کو غیر طاقتوں سے نجات دونگا۔ اب جبکہ مسیح نے پیچھا چھوڑانے کیلئے دور کی ڈالدی اور دل میں یہ خیال کیا کہ اس قدر لمبے زمانہ کی کون تحقیقات کریگا مگر یہودی بھی ان باتوں کے اُستاد تھے اُنہوں نے تاڑ لیا کہ تو ٹالتا ہے تب انہوں نے بادب عرض کی جس کا یہ خلاصہ تھا کہ پس از آنکہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد۔ تب مسیح نے جھٹ ایک چوتھا پہلو بدل دیا کہ ابھی بعض تم میں سے زندہ ہونگے کہ میں آجاؤنگا اور تم ابن آدم کو آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے۔ تب یہودی اپنی درازی عمر کی خوشخبری پاکر خوش ہو گئے اور اسپر زیادہ بحث نہ کی کیونکہ انسان کا قاعدہ ہے کہ خوشامد کے لفظوں پر زیادہ جرح نہیں کرتا۔ غرض مسیح جیسا کہ انجیل میں استاد کہلاتا ہے اس حاضر جوابی میں استاد نکلا مگر افسوس کہ یہ پیشگوئی اس کی ایسا قابل شرم دروغ تھا جس کی تصریح کی بھی حاجت نہیں۔ غرض اس فرقہ کے اعتراضات میں سے ایک تو یہی اعتراض ہے جو بیان کیا گیا اور یہ فرقہ لندن میں موجود ہے جو فری تھنکر کہلاتے ہیں اور ہمیشہ اخبارات اور رسالے انہی مضمون کے شایع کرتے رہتے ہیں عیسائی دوسروں پر حملہ کرتے ہیں اور وہ عیسائیوں پر۔ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جبکہ مسیح الیاس کی آمد ثانی کی نسبت جو تصریح صحیفہ ملاکی میں موجود ہے یہ کہتا ہے کہ وہ آمد حقیقی طور پر نہیں بلکہ اس سے مراد یوحنا نبی ہے جو ایلیا کی خو اور طبیعت پر آیا ہے تو مسیح کو مناسب تھا کہ اپنی آمد ثانی کو بھی اسی طور پر قرار دیتا مگر اُس نے ایسا نہیں کیا بلکہ دونوں موقع پر دو قسم کی مصلحت کو مد نظر رکھا ہے چونکہ ایلیا کی حقیقی طور پر آمد ثانی مسیح سے پہلے نہیں ہوتی اس لئے اسکو اپنی بات بنانے کیلئے کہنا پڑا کہ ایلیا سے مراد یوحنا ہے تا اپنا دعوےٰ برباد نہ ہو جائے لیکن دوسرے موقع پر جہاں اپنی آمد ثانی کا ذکر ہے یہودیوں کے آنسو پونچھنے منظور تھے تا وہ جسمانی طور پر جیسا کہ وہ انتظار کرتے تھے منجی سمجھ لیں لہذا یہی کہدیا کہ میں ہی آجاؤنگا اور یہ سراسر فریب کا طریق ہے کہ ایلیا کی آمد ثانی کے وقت کچھ کہا اور اپنی آمد ثانی کیوقت کچھ کہا اور دونوں پہلوؤں میں اپنا ہی فائدہ مد نظر رکھا۔ یہ تو اعتراض ہے مگر یاد رہے کہ مسیح کا ہرگز یہ دعوےٰ نہیں ہے بلکہ اس نے انجیل میں صاف طور پر اقرار کر دیا ہے کہ میری آمد ثانی بھی ایلیا یعنے الیاس کے مانند ہوگی دیکھو متی باب ۱۷ آیت ۱۰ سے بارہ تک اسمیں مسیح نے صاف اشارہ کر دیا کہ الیاس کو دو مرتبہ دکھ اٹھانا پڑا۔ ایک اپنی آمد اول میں دوسرا اپنی آمد ثانی میں جو بروزی رنگ میں تھی اور ایسا ہی مسیح دکھ اٹھائیگا صرف یہ فرق ہوگا کہ پہلے دکھ کے ساتھ محض صبر تھا اور دوسرے دکھ کیساتھ ظفر مقدر تھی۔ پھر آگے لکھا

کے ایک مقام میں لکھا ہے کہ مسیح چور کی طرح آئیگا دیکھو انجیل متی باب ۲۴-آیت ۴۳- اور ظاہر ہے کہ چور مُنہ چھپاکر آتا ہے اپنی وضع بدلاکر آتا ہے اور ۱ سلاطین ۲ سلاطین سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کو الیاس کے سوانح سے بہت ہی مشابہت تھی مثلاً جن معجزات سے مسیح کو خدا بنایا جاتا ہے وہی معجزات ایلیا نے بھی دکھلائے تھے بلکہ اس سے بھی بڑھکر کیونکہ ایلیا کے دشمن اس کی پیشگوئی اور بد دعا سے اسکی نظر کے سامنے ہلاک ہوتے رہے مگر مسیح ایسا نہیں کر سکا پھر دوسری مشابہت یہ ہے کہ جیسا نادان لوگونکا یہ خیال ہے کہ مسیح آسمان پر اٹھایا گیا یہی خیال ایلیا کی نسبت یہودیونکا ہے کہ وہ آسمان پر اٹھایا گیا اور جیسا کہ مسیح کی نسبت کم فہم لوگ ابتک یہ کہ رہے ہیں کہ وہ آسمان سے پھر نازل ہوگا ایسا ہی یہودیونکا ایلیا کی نسبت اعتقاد ہے کہ وہ بھی نازل ہوگا اور جیسا کہ مسیح کو دکھ دیا گیا اس کے قتل کا ارادہ کیا گیا ایسا ہی ایلیا کے ساتھ بھی کیا گیا اور جیسا کہ ایلیا کی آمد ثانی بروزی طور پر تھی ایسا ہی مسیح کی آمد ثانی بھی بروزی طور پر ہے اسی کی طرف مسیح متی باب ۱۷ آیت ۱۰ سے ۱۳ تک اشارہ کرتا ہے جس کا خلاصہ یہی ہے کہ جس طرح ایلیا نے اپنی آمد اول میں مخالفوں کے ہاتھ سے دکھ اٹھایا اور پھر آمد ثانی میں بروزی طور پر دکھ اٹھایا ایسا ہی مسیح کے ساتھ ہوا اور ہوگا گو آخر میں وہ فتحیاب ہوکر خدا کا جلال ظاہر کریگا غرض یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کہ داؤد کا تخت قائم کرنیکی پیشگوئی جب صحیح نہ نکلی تو مسیح نے اس غلطی کی پردہ پوشی کے لئے اپنی آمد ثانی کا وعدہ کیا گویا شک کرنے والونکو سراسر فریب سے یہ اطمینان دینا چاہا کہ گو میں اب داؤد کے تخت کو قائم نہیں کر سکا مگر آخری زمانہ میں میں دوبارہ آؤنگا اور پھر داؤد کا تخت قائم کرونگا کیونکہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں مسیح نے ہرگز دعوےٰ نہیں کیا کہ فی الحقیقت میں ہی دوبارہ آجاؤنگا ایسا خیال کرنا حضرت مسیح پر سراسر تہمت ہے بلکہ انہوں نے یونس سے اپنے تئیں مشابہت دیکر یہ سمجھایا کہ میں قبر میں داخل ہونگا مگر نہ مُردہ بلکہ زندہ اور ایلیا سے اپنے تئیں مشابہت دیکر یہ سمجھایا کہ میری آمد ثانی ایلیا کی طرح ہوگی اور دونوں قسم کی آمد میں جاہل لوگ مجھ سے دشمنی کرینگے جیسا کہ ایلیا سے کی سو آج یہ سب باتیں پوری ہوگئیں کیونکہ جب کہ یہ راقم مسیح کی روح کے رنگ سے رنگین ہوکر اور اس کے لباس میں ظاہر ہوا تو نہ مسلمانوں نے مجھے قبول کیا نہ عیسائیوں نے اور میں کافر ٹھہرایا گیا اور قتل کے فتوے لکھے گئے ❖

یسوع کی تعلیم کی غلطیاں

اب پھر ہم اصل مطلب کی طرف رجوع کرکے لکھتے ہیں کہ عیسائی قوم کے نکتہ چینیوں نے جیسا کہ مسیح کو

اعمال کے رو سے غیر معصوم اور گنہگار ٹھہرانے کیلئے بہت کوشش کی ہے اور ایک بڑا ذخیرہ معائب کا اس کی نسبت طیار کیا ہے ایسا ہی اس امر کا بھی ثبوت دیا ہے کہ مسیح اپنے قول کے رو سے بھی معصوم نہیں تھا اور اس کی تعلیم ..... خطا سے پاک نہیں ہے مثلاً اُس نے اپنے تمام شاگردوں کو خصّی ہونیکی ترغیب دی اور ظاہر ہے کہ خدا نے ہرگز یہ ارادہ نہیں کیا کہ تمام انسان خصّی ہو کر سلسلہ دنیا کا ختم کر دیں سو اس سے ثابت ہے کہ مسیح اپنے قول کے رو سے ہرگز معصوم نہیں اور ایسی عقل اسکو ہرگز عطا نہیں کیگئی تھی جو غلطی سے اس کو بچاتی پس جس خدا نے اسکو غلطی سے نہیں بچایا کیونکر یقین ہو کہ اس کو گناہ سے بچایا ہوگا۔ اور مسیح خود اقرار کرتا ہے کہ معصوم العمل نہ ہونا ایسا خطرناک نہیں ہے جیسا کہ معصوم القول نہ ہونا جیسا کہ وہ کہتا ہے کہ جو چیز اندر جاتی ہے وہ انسان کو ناپاک نہیں کرتی بلکہ وہ ناپاک کرتی ہے جو اندر سے نکلتی ہے یعنی بے کلمے جو کفر اور فسق کی تعلیم دیتے ہیں حقیقی گنہ یہی ہے اور عملی گنہ انکی فرع ہیں +

ایسا ہی مسیح کی تعلیم کا ایک یہ بھی مسئلہ ہے کہ خدا پیٹ میں رہا۔ خدا پیدا ہوا۔ خدا نے بچہ دیا۔ خدا خود بچہ بن گیا۔ اور خدا بجز اسکے پورا خدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ روح القدس اس سے شامل نہ ہو اور نیز یسوع ابن مریم بھی شامل نہ ہو اور جب یہ تینوں اکٹھے ہو جائینگے تب ان کو کہا جائیگا کہ یہ ایک خدا ہے ورنہ نہیں اب ظاہر ہے کہ یہ کس قدر بیہودہ گمان اور خطائی القول ہے اگر مسیح گناہ سے معصوم ہوتا تو ان بیہودہ باتوں سے بھی ضرور معصوم ہوتا کیونکہ اعمال میں نہ معصوم ہونے سے صرف اپنی ذات پر اثر بد پڑتا ہے لیکن اقوال میں نہ معصوم ہونے میں تمام دنیا پر اثر بد پڑتا ہے اور جو شخص اپنے اعمال میں معصوم نہیں وہ صرف آپ ہلاک ہوتا ہے اور جو شخص اپنے قول میں معصوم نہیں وہ نہ صرف اپنے تئیں ہلاک کرتا ہے بلکہ تمام بنی نوع کو ہلاک کرنا چاہتا ہے بلکہ قول کے گنہ بہ نسبت فعل کے گناہوں کے زیادہ سخت ہیں کیونکہ جھوٹ اور بیجا مبالغہ اور گالی اور لعنت اور بد زبانی اور کفر اور شرک اور جھوٹی گواہی یہ سب قولی گناہ ہیں اور کچھ شک نہیں کہ یہ فعلی گناہ سے بدرجہا بڑھکر ہیں ظاہر ہے کہ عملی گناہ کیلئے ہمیشہ کا جہنم نہیں مگر قولی گناہ کیلئے ہمیشہ جہنم ہے +

مذکورہ بالا عیسائیوں کا ایک یہ بھی اعتراض حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ہے کہ یسوع مسیح کی یہ تعلیم جیسا کہ عیسائی صاحبان سمجھے بیٹھے ہیں کہ انسان اعمال سے نہیں بلکہ یسوع مسیح کے خون سے نجات پائیگا اس تعلیم نے کروڑہا بندوں پر گناہ کے دروازے کھول دئے ہیں اور فسق و فجور اور بے قیدی میں جو کچھ حالت یورپ کی ہو رہی ہے اور جس قدر اکثر اُن کے صلاحیت اور ضبط شہوات کے نقطہ سے دور نکل گئے ہیں حاجت بیان

نہیں یہانتک کہ اکثر گورے بھیڑیوں کی طرح بیگانہ عورتوں پر پڑتے اور گدوں کی طرح ہر ایک بدکاری کے مردار پر گرتے ہیں اگر یہ تعلیم صحیح ہوتی تو عملی طور پر ہر طبقہ کے عیسائیوں پر اس کا بہت نیک اثر پڑتا مگر اس تعلیم کی تحریک سے یورپ میں فسق و فجور کی ندیاں بہ گئی ہیں اور ہر ایک شخص جس پہلو سے گنہ کرنے کی قدرت اپنے اندر رکھتا تھا اُسی پہلو سے اپنے گنہ کو کمال تک پہنچا دیا ہے۔ شراب خوار تمام دنیا کے شراب خواروں سے سبقت لیگئے ہیں اور قمار باز تمام دنیا کے قمار بازوں سے اور بدکار مرد اور بدکار عورتیں تمام دنیا کے بدکار مردوں اور بدکار عورتوں سے۔ پس کچھ شک نہیں کہ اس تعلیم نے بدیوں کے کروڑہا درخت یورپ میں بو دئے ہیں۔ پس جس شخص کے منہ سے یہ تعلیم نکلی ہے کیا اُس نے کوئی گنہ کا کام نہیں کیا اور ابھی تک اسکو معصوم ہی کہنا چاہئے نہیں بلکہ اُن زناکاروں کے گناہ سے لیکر جو مسیح کو پاکر اسپر ایمان لائے جنکا ذکر کارنتھیوں کے خط اول باب ۵ آیت ۱-۲-۶- اور باب ۶- آیت ۹-۱۲ میں تصریح مندرج ہے اُن بدکار عورتوں اور مردوں تک جن کا گروہ کثیر حال کے زمانہ میں پیرس میں موجود ہے اور نیز لندن میں اور دوسرے یورپ کے حصوں میں سب کا مواخذہ اُس معلم سے ہے جس نے ایسی باتوں سے گناہ کرنے پر لوگونکو دلیر کر دیا اور ابتدا دنیا سے تمام نبیوں نے بدیوں کا کفارہ نیکیوں کو ٹھہرایا تھا کیونکہ یہ مسئلہ تجربہ سے سچا ثابت ہوا ہے کہ روح کا نیکی کے کاموں میں قوت پانا بدی کی قوتوں کو کمزور کر دیتا ہے مگر مسیح یہ سچا مسئلہ سکھلا نہ سکا اس لئے یہ ایسا سنگین گناہ اس سے ظہور میں آیا ہے کہ عیسائی دنیا کے تمام گناہوں کی وہی جڑ ہے ◆

انجیلی عفو کی حقیقت

محقق عیسائیوں نے اپنی کتابوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال پر ایک یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ ان کی یہ تعلیم کہ شر کا مقابلہ نہ کرو اور بہرحال ایک طمانچہ کھا کر دوسری گال بھی پھیر دینی چاہئے سخت قابل اعتراض اور عصمت سے دور ہے کیونکہ یہ ایک ایسا طریق ہے کہ ظالم کے اخلاق کو بگاڑتا اور مظلوم کو ناحق جان کے خطرہ میں ڈالتا ہے اور ایسی تعلیم دینے والا درحقیقت دو گناہ کا مرتکب ہے (۱) ایک کہ وہ شریروں کو بے سزا چھوڑ کر ظلم کو مدد دیتا ہے اور روا رکھتا ہے کہ زمین پر ظالم بکثرت ہو جائیں (۲) دوسرے یہ کہ وہ غریب مظلوموں پر دادرسی کا دروازہ بند کرنا چاہتا ہے اور اس طرح پر ایک عمدہ صفت عدل کا دشمن بنکر زمین پر بغاوت اور مفسدہ پھیلانا چاہتا ہے کیا ایسا شخص کل دنیا کی بہتری کا خواہاں ہو سکتا ہے جو انسانوں کے

ایک شریف طبقہ کو یہ نصیحت دیتا ہے کہ گو کوئی تمہاری جان پر حملہ کرے یا تمہاری عزت پر یا ٹھگ بازی اور دغا سے تمہارا مال لینا چاہئے بہرحال تمہیں چاہئیے کہ وہ حملہ ہونے دو اور مقابلہ نہ کرو ظاہر ہے کہ ایسی تعلیم سے شرفا کی بیویاں بھی امن سے گھروں میں نہیں بیٹھ سکتیں کیونکہ اس تعلیم کے رو سے جیسا کہ مرد ان کو شر کا مقابلہ نہیں کرنا چاہئیے ویسا ہی عورتوں کو بھی ایسی تعلیم کو پادری صاحبان لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ بڑی عمدہ تعلیم ہے حالانکہ یہ تعلیم انتظام دنیا کی دشمن انصاف کی دشمن حقیقی پاکیزگی کے پھیلنے کی دشمن ہے کیا یہی تعلیم اس خدا کے منہ سے نکلی ہے جس کے قانون قدرت کے آئینہ میں صاف دکھائی دیتا ہے کہ وہ انصاف اور رحم دونوں کے سلسلہ کو اپنے اپنے محل پر مرعی رکھتا ہے اس کے کاموں میں جو دنیا میں نمایاں ہیں نہ صرف انتقام پر سار امدار پایا جاتا ہے اور نہ صرف درگذر اور رحم پر بلکہ موقع اور محل کے لحاظ سے دونوں پر۔ کیا یہ سچ نہیں کہ خدا کا قول خدا کے فعل سے مطابق ہونا چاہئیے پھر یہ تعلیم جو حضرت مسیح نے دی ہے کیوں خدا کے قانون قدرت سے مطابق نہیں۔ کلیسیا کے بڑے بڑے بزرگ اور دیندار جو دوسرے مذاہب کی نکتہ چینیوں میں مصروف ہیں کیوں انجیل کی اس تعلیم پر غور نہیں کرتے جو غریبوں اور کمزوروں کو سکھاتی ہے جو تم ہر ایک ظلم کی برداشت کرو اور ظالموں کی سرکوبی کے لئے کوئی قانون پیش نہیں کرتی جو شخص دنیا کو ایسا سکھاتا اور ایسی تعلیم دیتا ہے کیا وہ کوئی گناہ نہیں کرتا آپ لوگ اس مقام میں کیوں اس منطق اور فلسفہ سے مدد نہیں لیتے جس میں عمریں بسر کی ہیں اگر کسی منطق سے یہ تعلیم صحیح ٹھہر سکتی ہے تو ہمیں بتا دیں جو لوگ سچائی سے پیار کرنے کا دعویٰ رکھتے ہیں وہ ہمیں دکھلا دیں کہ اس تعلیم میں کیا سچائی ہے کہ اپنی جان اور عزت اور مال کی نسبت کسی سے مقابلہ نہ کرو اور ہر ایک حملہ ہونے دو اور اگر سچائی تھی تو کیوں عیسائیوں نے اس پر عمل نہ کیا اس صورت میں یا تو وہ لوگ گنہگار ہوئے جو عمل کرنے سے قاصر رہے اور یا وہ گنہگار ہوا جس نے ایسی تعلیم پیش کی جس میں انکی اور انکی ذریت کی حق تلفی اور بربادی تھی اور پھر طرفہ تر یہ کہ ایک خفیف سزا سے درگذر کر کے ایک بڑی سزا کی دھمکی دی ہے مثلاً لکھا ہے کہ آنکھ کی نظر شہوت سے سارا بدن جہنم میں ڈالا جائیگا اب ایک طرف تو یہ منع کیا گیا ہے کہ ہر ایک قسم کے شر کا مقابلہ نہ کیا جائے بلکہ اس کو نہ روکا جائے جسمیں بدنظری کرنیوالوں اور عورتوں کی عفت پر حملہ کرنیوالوں کے شر بھی داخل ہیں جسکا مقابلہ یا روکنا ایک سچے عیسائی کیلئے حرام ہے۔ اور پھر دوسری طرف زناکار کی سزا ابدی جہنم لکھی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر تھوڑی سی دنیا کی سزا سے ایسے لوگوں کی سرکوبی کیجاتی تو وہ ہمیشہ کے جہنم سے بچ جاتے اور جرائم سے رک جاتے پس اس تعلیم نے جیسا کہ کمزوروں پر

سختی کی ہے ویسا ہی ظالموں پر بھی ایک قسم کا ظلم کیا ہے یہ تو عیسائی محققوں کے انجیل کی تعلیم پر اعتراض ہیں اور ہم اس بات کو وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ عفو اور درگذر اچھے اخلاق ہیں لیکن نہ ہر جگہ اور ہر محل پر۔ اس بارے میں قرآنی تعلیم سے بڑھکر دنیا میں کوئی تعلیم نہیں مثلاً دیکھو کہ انجیل کی اس تعلیم کے مقابل پر جس پر بڑے زور و شور سے آجکل یورپ میں اعتراض ہو رہے ہیں قرآنی تعلیم عفو یا انتقام کے بارے میں یہ ہے۔ جزاء سیئة سیئة مثلها فمن عفیٰ و اصلح فاجره علی اللّٰه یعنے انصاف یہی ہے کہ بدی کی اسی قدر سزا دیجائے جس قدر بدی کیگئی ہے لیکن جو شخص سزا دینے یا دلانے سے درگذر کرے اور اس درگذر سے کوئی اصلاح ہو یعنی درگذر کرنے سے مجرم پر نیک اثر پڑے اور کوئی فساد پیدا نہ ہو اور امن عامہ میں کوئی فتنہ برپا نہ ہو غرض درگذر عین محل پر ہو بے محل نہ ہو تو ایسا شخص خدا سے بڑا اجر پائیگا کیونکہ درگذر سے ایک جان کو بھی بچایا اور اسکی اخلاقی حالت کی بھی اصلاح کی اور پھر امن عامہ میں کوئی خلل نہ آنے دیا اور یہ امر صاف اور بدیہی ہے کہ گناہ کرنیوالے ایک ہی طبیعت کے نہیں ہوتے بعض ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کا گناہ معاف کیا جائے۔ تو آئندہ کان کو ہاتھ لگاتے اور سدھر جاتے ہیں اور پھر ایسی بدی کے مرتکب نہیں ہوتے بلکہ ایسی صحبتوں سے مجتنب ہو جاتے ہیں اور وہ تھوڑے ہیں۔ اور بعض ایسے شریر ہوتے ہیں کہ گناہ معاف کرنے سے اور بھی گناہ پر دلیر اور خیرہ چشم ہو جاتے ہیں اور انکی لعنتی زندگی اور بھی خراب ہو جاتی ہے اور وہ اس طرح پر تمام لوگوں کے ایذا دینے کا موجب ٹھہر جاتے ہیں اور وہ بہت ہیں وہ اس سانپ کی طرح ہوتے ہیں کہ جو ایک شخص کو کاٹ کر اسی پر بس نہیں کر سکتا اور ہرگز نیک اور تائب نہیں بن سکتا بلکہ تمام عمر کیلئے یہ خاصیت اپنے اندر رکھتا ہے اور موقع پا کر پھر دوسرے کو کاٹتا ہے اور پھر تیسرے کو ایسا ہی ایک شہر کو خالی کرنا چاہتا ہے جب تک کہ اس کا سر کاٹ کر الگ نہ کر دیا جائے۔ بعض پادری صاحبان اس بات کو تو قبول کرتے ہیں کہ ہر جگہ عفو اور درگذر صحیح نہیں ہے بیشک اس سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ جواب دیتے ہیں کہ انجیل کا اسجگہ یہ منشاء ہے کہ تم آپ سزا نہ دو بلکہ حاکموں سے دلاؤ تو گویا انجیل عیسائیوں کو یہ سکھلاتی ہے کہ جب تمہیں ایک گال پر طمانچہ مارا جائے تو مقدمہ سنگین بنانے کیلئے دوسری گال بھی پھیر دو اور جب دوسری گال پر طمانچہ خوب زور کا لگ جائے اور کوئی دانت بھی ٹوٹ جائے تو پھر ضرب شدید کا دعویٰ کر کے عدالت میں نالش کر دو اور سزا دلاؤ اب بتلاؤ کہ اگر انجیل کا یہی منشا ہے جیسا کہ پادری صاحبان بیان فرماتے ہیں تو کیا انجیل نے یہی اخلاق سکھلائے ہیں کہ اپنے تئیں درگذر کرنیوالا ظاہر کر کے دشمن کو سخت سزا کے قابل ٹھہرا دو اور ہرگز نہ چھوڑ دیہ تو ایک مکاری

ہے کہ اس نیت سے نرمی اور درگذر کیجائے کہ کسی طرح مجرم کوئی مجرمانہ حرکت کر بیٹھے اور جب مجرمانہ حرکت اس سے صادر ہو چکی تو پھر اسکو بذریعہ وارنٹ گرفتار کراکر جیلخانہ میں پہنچایا جائے یہ خوب درگذر اور عفو ہے اسوا اس کے اس صورت میں تو انجیلی تعلیم کا آل یہ ہوگا کہ کسی طرح دغابازی سے مجرم کو پھنسا کر سزا کے لائق اسکو کر دیا جائے حالانکہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ اس بارے میں کامل تعلیم یہ ہے کہ نہ ہمیشہ مجرموں کو سزا دی جائے اور نہ ہمیشہ درگذر کیجائے بلکہ محل اور موقع کو دیکھا جائے کہ اب قرین مصلحت کیا ہے اور بہتری کس امر میں ہے درگذر میں یا انتقام میں - ہم اس بات کے تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے کہ مسیح کی اس تعلیم سے یہ غرض تھی کہ تا اُن یہودیوں کو جو سزا دینے پر بہت حریص تھے اس عادت سے روک دے لیکن ہم میں کچھ بھی شک نہیں کہ جیسا کہ یہودیوں نے ہر ایک موقع میں سزا دہی پر زور ڈالکر افراط کی راہ لی - ایسا ہی حضرت مسیح نے ہر ایک موقع پر ترک سزا کی تعلیم دیکر تفریط کی راہ کو اختیار کر لیا اور چونکہ دونوں راہیں جادہ اعتدال سے منحرف تھیں اس لئے حکمت الٰہی نے تقاضا کیا کہ ایک تیسری راہ دنیا کو دکھائے جو حکمت اور موقع شناسی کا سبق دیتی اور اعتدال درمیانہ روی کو سکھاتی ہے سو وہ راہ قرآن شریف لایا اور یہ داغ نہ صرف انجیل پر بلکہ توریت پر بھی ہے کہ وہ دونوں اس روشن اور پر حکمت تعلیم کو پیش نہیں کر سکیں جو خدا کی پاک اور زندہ کلام فرقان حمید نے پیش کی کیونکہ وہ دونوں کتابیں قانون مختص المقام یا قانون مختص القوم کی طرح تھیں اور بنی اسرائیل کی افراط اور تفریط نے یہی چاہا تھا کہ ایک زمانہ میں قانون قصاص نہایت درجہ کی سختی کیساتھ اُن کے لئے خدا کی طرف سے نازل ہوتا اور دوسرے زمانہ میں قانون ترک سزا نہایت درجہ کے مبالغہ کیساتھ دیا جاتا - یہ ظاہر ہے کہ انسانی فطرتوں نے تہذیب اور شائستگی کیطرف آہستہ آہستہ ترقی کی ہے پس یہ امر ایک ضروری اور بشری پیدایش کی راہ میں تھا کہ اول انسان جذبات نفس کے جوش کی وجہ سے انتقامی شریعت کو زیادہ پسند کرتا اور پھر الٰہی شریعت سے متاثر ہو کر ترک جذبات کے اشتیاق سے ایسے قانون کی خواہش کرتا جس میں عفو اور درگذر پر زور دیا گیا ہو اور آخر دونوں طریق افراط اور تفریط کو آزما کر حکمت اور موقع شناسی کے قانون کو ان دونوں راہوں افراط اور تفریط پر ترجیح دیتا اور خدا سے ایسے قانون کی درخواست کرتا کہ نہ تو خواہ نخواہ دانت کے عوض دانت نکالنا چاہتا ہے اور نہ ہر جگہ عفو اور درگذر کو پسند کرتا۔ پس انسانی فطرتوں کی درخواست کے مطابق تین کتابیں نازل ہوئیں (۱) توریت جو افراط کی طرف لے جاتی ہے (۲) انجیل جو تفریط کی طرف کھینچتی ہے (۳) قرآن جو ہر ایک امر میں بین بین کی راہ اختیار کرتا اور توسط

اور اعتدال کا طریق سکھلاتا ہے ؞